بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبٰرک الذی نزّل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعٰلمین نذیرًا

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے!

قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے!

قرآنی حقائق بیان کرنیوالا خالص مذہبی علمی اور تبلیغی رسالہ

الفرقان

Masood Ahmad 'Anees'
H. U.
QADIAN. (E. P.)

جلد ۳ ــــ نمبر ۱ ــــ جنوری ۱۹۵۳ء

سالانہ چندہ ــــ ایڈیٹر

پانچ روپے ــــ قیمت فی پرچہ ــــ ابو العطاء جالندھری

آٹھ آنے

سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين

(بقلم السيد رضوان عبد الله الطالب بالجامعة الاحمدية)

العظماء كثيرون، عظيم تظهر عظمته فى العلوم العربية وعظيم تعظمه الشجاعة، وآخر ترفعه الحكمة، وغيرهم يذيع صيته التاليف والادب، كل هؤلاء عظماء فى اعيننا. فنقول ما اعظم هذا الرجل انه ألف كتاباً فى الطب. وما اقوى ذاك لقد صارع شخصين بمفرده وصرعهما.

وهكذا نأخذ فى عد العظماء وسبب عظمتهم وهم كثيرون لا يحصى لهم عدد.

ووصف الله تعالى رسوله الكريم صلوات الله عليه وسلم فى كتابه العزيز قائلاً وهو احكم القائلين "ماكان محمدٌ ابا احدٍ من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين" وهذا الوصف جامع لتلك الصفات التى ذكرناها لاولئك العظماء. وتلك الاوصاف باجمعها توجد فى الانبياء بدرجة قصوى. فبكونه صلى الله عليه وسلم "خاتم النبيين" وافضلهم يلزم ان يكون قد فاقهم فى جميع تلك الصفات. فيمكن ان نقول انه صلى الله عليه وسلم افضل الرسل لانه خاتم النبيين. وانه اشجع المشجعان لانه خاتم النبيين واحكم الحكماء لكونه خاتم النبيين وعلى هذا القياس فانظر كيف جمعت فى لفظ خاتم النبيين صفات العظماء والاقوياء وجميع المحاسن التى يجب ان تكون فى حسن الاخلاق. و كيف لا يكون هو افضلهم وهو الذى ارسل الى الناس كافة وهو الذى جُعلت له الارض مسجداً يسجُد فيها فى كل بقعة من بقاع العالم، كل مؤمن. وهو الذى أُعطى القرآن المجيد الذى هو معجزة الدهر والذى أُنزل ليستظل بظله جميع اهل المِلَل فى العالم. لقد اثبت لنا التاريخ كيف كان صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين فى كل اعماله وافعاله التى لا يمكن ان نحصيها فى هذا المقام. ومن اراد التفصيل فعليه بالقرآن فان احسن وصفه صلى الله عليه وسلم فى القرآن. والظاهر كظهور الشمس ان القرآن هو المعجزة الخالدة التى ظهرت على يده صلى الله عليه وسلم وهو نور به يضئ الطريق لتابعيه ويهديهم الى سبيل الرشاد

تمت عليه صفات كل مزية

ختمت به نعماء كل زمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

| جلد ۳ | ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ | الفرقان | جنوری ۱۹۵۳ء | شمارہ نمبر ۱ |

فہرست مضامین!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۳ | الفرقان - جنوری سنہ ۱۹۵۳ء | شمارہ نمبر ۱

قرآنی صداقتوں میں سے ایک عظیم الشان صداقت

یاجوج و ماجوج

(یعنی)

اشتراکیت اور استعماریت کی دو خطرناک تحریکیں

قرآن مجید کی آخری زمانہ کے متعلق پیشگوئیوں میں سے ایک اہم پیشگوئی یاجوج و ماجوج کے بارہ میں ہے۔ یاجوج اور ماجوج دونو لفظ اپنے مادہ کے لحاظ سے اجیج سے ماخوذ ہیں۔ اجیج کے معنے آگ کے شعلہ کے ہیں۔ یاجوج اور ماجوج اپنے ماخذ کے لحاظ سے آگ سے کام لینے والی دو قومیں ہیں۔ ان کے شر اور فساد کی وجہ سے ان کی ہلاکت بھی تباہ کن آگ کے ذریعہ سے ہونیوالی ہے اور ان کا انجام بھی جہنم کی آگ ہے۔

قرآن مجید نے سورۃ الکہف اور سورۃ الانبیاء میں یاجوج و ماجوج کا ذکر فرمایا ہے۔ ذوالقرنین موعود کے سلسلہ میں فرمایا: قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَهُمْ سَدًّا ٥ (آیت ۹۴) کہ لوگوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین! یاجوج و ماجوج نے زمین میں فساد برپا کر رکھا ہے کیا ہم آپ کیلئے کچھ رقم یا ٹیکس جمع کریں تاکہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان دیوار حائل کر دیں۔"

لہ "کاش! یاجوج ماجوج پر آپ کوئی مضمون لکھتے یہ امر تحقیق کا محتاج ہے۔" مکتوب علامہ اقبال بنام سید سلیمان ندوی (مکاتیب اقبال جلد ۱ صفحہ ۱۰۹)

پھر اسی سورۃ میں یاجوج و ماجوج کے متعلق فرمایا:-

وَ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَىٕذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ٥ وَّ عَرَضْنَا جَهَنَّمَ یَوْمَىٕذٍ لِّلْكٰفِرِیْنَ عَرْضًا ٥

کہ وہ آخری زمانہ میں کثرت سے پھیل جائینگے اور ان کے ذریعہ سے شر بہت بڑھ جائیگا۔ تب اللہ تعالیٰ اپنے فرستادہ کے ذریعہ اقوام عالم کو جمع کرنے کے لئے اعلان فرمائیگا، اور یہ کافر اسوقت جہنم میں داخل ہوں گے۔

سورۃ الانبیاء میں یاجوج و ماجوج کے ذکر پر فرمایا:-

حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ٥ وَ اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ٥ (آیت ۹۶-۹۷)

کہ یاجوج و ماجوج کھل جائینگے اور وہ ہر بلندی پر کودتے پھرینگے یعنی ہر جگہ غالب آجائینگے تب اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ظاہر ہوگا اور اسوقت کافروں کی نظریں کھلی کی کھلی رہ جائینگی اور

وہ کہیں گے کہ افسوس ہم تو اس سے غافل رہے بلکہ ہم سراسر ظالم تھے۔

قرآن مجید کے اِن بیانات سے ظاہر ہے کہ:۔

(۱) یاجوج و ماجوج دو مفسد گروہ ہیں (۲) آخری زمانہ میں انکی کثرت ہوگی (۳) قومیں اُن کے فساد سے تنگ آجائینگی (۴) یاجوج و ماجوج کو آخری زمانہ میں اقتدار و شوکت حاصل ہوگی اور ان کی سلطنت زمین پر پھیل جائے گی۔ (۵) ذوالقرنین یا موعود حق یاجوج و ماجوج کے فتنہ کے استیصال کیلئے برپا ہوگا۔ (۶) اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو تباہ کردیگا اور انکا انجام جہنم ہوگا۔

قرآن مجید نے یاجوج و ماجوج[1] کی صفات اور ان کے فتنہ کا ذکر فرمایا ہے مگر اس نے انکی نمایاں شناخت کی وجہ سے انکے علاقے اور ان کے نام ذکر نہیں فرمائے۔ احادیث نبویہ میں بھی یاجوج و ماجوج کے فتنہ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کی آمد کے سلسلہ میں فرمایا:۔

اوحی اللہ الی عیسیٰ انی قد اخرجت عباداً لی لا یدان لاحد بقتالھم فحرز عبادی الی الطور ویبعث اللہ یاجوج و ماجوج وھم من کل حدب ینسلون۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۷۳-۴۷۴ مطبوعہ دہلی)

کہ اللہ تعالیٰ مسیح موعود کو وحی کے ذریعہ سے مطلع کریگا کہ میں نے ایسے انسان پیدا کئے ہیں جن کے ساتھ جنگ کرنیکی کسی کو طاقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو کھڑا کریگا اور وہ ہر بلندی پر غالب آتے جائیں گے۔"

احادیث میں یاجوج و ماجوج کے خروج کو اشراط الساعۃ میں شمار کیا گیا ہے۔ امام ملا علی القاری نے حدیث نبوی الآیات بعد المأتین کی شرح میں لکھا ہے کہ اسکے رو سے بارھویں صدی ہجری کے بعد یاجوج و ماجوج کا خروج ہونا چاہیئے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ یافث بن نوح کے سات بیٹوں کے نام یہ تھے۔ (۱) جمر (۲) ماجوج (۳) مادی (۴) یونان۔ (۵) توبل (۶) مسک (۷) تیراس۔ (پیدائش ۱۰/۲) گویا یافث بن نوح کے ایک بیٹے کا نام ماجوج ہے۔ علامہ علی القاری نے بھی لکھا ہے "یاجوج وماجوج ھما قبیلتان من ولد یافث بن نوح علیہ السلام" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ) علامہ ابن خلدون نے یاجوج و ماجوج پر طویل بحث کے سلسلہ میں لکھا ہے:۔

"وجعلوا اھل الشمال کلھم او اکثرھم من ولد یافث" کہ اہلِ انساب کے نزدیک شمالی علاقوں کے سب یا اکثر لوگ یافث کی اولاد ہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۷ مطبوعہ مصر)

بائیبل میں یاجوج و ماجوج کے متعلق مندرجہ ذیل اہم بیانات ملتے ہیں:

(الف) "اے آدم زاد! جوج کے برخلاف نبوت کر اور بول کہ خداوند یہوواہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ میں تیرا مخالف ہوں۔ اے جوج اروس اور مسک اور توبال کے سردار میں تجھے پلٹ دوں گا۔" (حزقیل ۳۹/۱-۲)

(ب) "اور میں ماجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں بے پروائی سے سکونت کرتے ہیں ایک آگ بھیجونگا اور وہ جانینگے کہ میں خداوند ہوں۔" (حزقیل ۳۹/۶)

---

[1] امام راغب اصفہانی اپنی لغت کی کتاب میں لکھتے ہیں: ویاجوج وماجوج منہ شبھوا بالنار المضطرمۃ والمیاہ المتموجۃ لکثرۃ اضطرابھم کہ یاجوج و ماجوج کا اشتقاق اجیج النار سے ہے انہیں شعلہ زن آگ اور موجیں مارنے والے سمندر سے مشابہت دیگئی کیونکہ یہ قومیں کثرت سے حرکت کرینگی۔ (المفردات فی غرائب القرآن)

(ج) "اور جب ہزار برس (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد) پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائیگا اور ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی یعنی یاجوج و ماجوج کو گمراہ کر کے لڑائی کیلئے جمع کرنے کیلئے نکلیگا۔ ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا اور وہ تمام زمین پر پھیل جائینگی اور مقدسوں کی لشکرگاہ اور عزیز شہر کو چاروں طرف سے گھیر لینگی اور آسمان پر سے آگ نازل ہو کر انہیں کھا جائیگی۔" (مکاشفہ یوحنا ۲۰/۷-۹)

ان تین اقتباسات سے ظاہر ہے کہ:۔

(۱) یاجوج و ماجوج روس اور جزیروں میں بسنے والے انگریز ہیں۔

(۲) انکے خلاف نبوت کیجائیگی اور ان کی تباہی کا اعلان ہوگا۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہزار سال بعد ان کا گمراہ کن خروج شروع ہوگا۔

(۴) یہ زمین پر پھیل جائینگی اور مقدسوں کے لشکرگاہ اور عزیز شہر یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی۔

(۵) یاجوج و ماجوج کی تباہی آسمانی آگ کے ذریعہ سے ہوگی۔

بائیبل، قرآن مجید، احادیث نبویہ اور تاریخی حوالجات سے واضح ہو جاتا ہے کہ آخری زمانہ کا سب سے بڑا فتنہ یاجوج و ماجوج کا فتنہ ہے۔ یاجوج و ماجوج کا آخری زمانہ کا عروج ہی اس فتنہ کا سب سے بڑا سبب ہے۔ یاجوج و ماجوج کی تعیین بھی مندرجہ بالا حوالجات سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ یہ روس[۲] اور انگریز ہیں جو اس آخری زمانہ میں آگ کے زور سے دنیا پر حکومت کر رہے ہیں اور یہ قومیں ہی فتنہ کی آگ بھڑکا رہے ہیں۔ قرآن مجید، بائیبل

(۱) ملاحظہ ہو مکاشفہ ۱۶/۱۹-۱۱ و ۲۰/۱-۳ (۲) روس سے مراد روسی تحریک اشتراکیت ہے اور انگریز سے مراد استعماریت اور سرمایہ داری کی تحریک ہے۔

اور احادیث نبویہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ یاجوج و ماجوج کے اس عروج کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک فرستادہ مبعوث ہوگا اُسے ان قوموں کے فتنہ کے بارے میں وحی سے اطلاع دیجائیگی۔ اگرچہ وہ مامور خدا دنیوی تلوار اور طاقت سے ان قوموں کا مقابلہ نہ کریگا لیکن آسمانی آگ ان قوموں کو آخرکار تباہ کردیگی۔ قرآن مجید میں اس مامور کو ذوالقرنین (دو طاقتوں والا) قرار دیا گیا ہے، بائیبل میں اُسے آدمزاد کہا گیا ہے احادیث میں اسے عیسیٰ اور مسیح ٹھہرایا گیا ہے۔ اس باب میں ذیل کی دو حدیثیں خاص توجہ کے قابل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

(۱) "یقولون (یاجوج وماجوج) قهرنا من فی الارض وظهرنا علی من فی السماء فیدعو علیهم عیسی بن مریم فیقول اللهم لاطاقة لنا بهم ولا ید فاکفناهم بما شئت۔"

(الدر المنثور جلد ۴ صفحہ ۲۵۲)

ترجمہ:۔ یاجوج و ماجوج اعلان کرینگے کہ ہم زمین و آسمان پر غالب آگئے ہیں اور ہم نے سب کو مقہور کر لیا ہے تب مسیح موعود ان کے خلاف بددعا کریگا اور کہیگا اے اللہ! ہم میں تو ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں تو ہی اپنے ہاتھ سے ہمیں ان کے شر سے بچا۔"

(۲) "قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بعثنی الله لیلة اُسری بی الی یاجوج وماجوج فدعوتهم الی دین الله وعبادته فأبوا ان یجیبونی فهم فی النار مع من عصی من ولد آدم وولد ابلیس۔"

ترجمہ :- رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسراء کی رات اللہ تعالیٰ نے مجھے یاجوج وماجوج کی طرف مبعوث فرمایا۔ میں نے اُن کو اللہ کے دین اور اس کی عبادت کی طرف بلایا مگر انہوں نے میری بات کو قبول نہ کیا وہ بھی ذریتِ آدم و ابلیس میں سے دیگر نافرمانوں کے ہمراہ جہنم میں جائیں گے۔ (الدر المنثور جلد ۴ صفحہ ۲۵۰ مطبوعہ مصر)

اِن احادیث سے ثابت ہے کہ یاجوج وماجوج کی تباہی مسیح موعودؑ کی بددعاؤں سے ہوگی۔ مؤخر الذکر حدیث نبویؐ سے بہت سے اسرار منکشف ہوتے ہیں سب سے اہم یہ ہے کہ یاجوج وماجوج کو دعوتِ توحید کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہونیوالے ہیں۔ بالفاظِ دیگر یوں ثابت ہوا کہ یاجوج وماجوج کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ ہونیوالی ہے۔ گویا مسیح موعود، آدم زاد اور ذوالقرنین یہ تمام مختلف صفاتی نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ کے ہیں۔

یاجوج و ماجوج کا خروج ہو چکا ہے، انہیں ساری دُنیا پر تسلط بھی حاصل ہو چکا۔ اِسوقت ساری دُنیا روس کی تحریکِ اشتراکیت اور برطانیہ کی تحریک سرمایہ داری کے چنگل میں آ چکی ہے۔ بلکہ اب تو حدیث نبویؐ کے مطابق نمک کے پگھلنے کی طرح ان کا زوال بھی شروع ہو چکا ہے۔ خود علامہ اقبال بھی کہہ چکے ہیں ؎

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیر حرف یَنْسِلُوْن!
(بانگِ درا صفحہ ۳۳۲)

اب ضرورت اِس امر کی ہے کہ مسلمان امام وقت ذوالقرنین کو پہچانیں جسے اللہ تعالیٰ نے اِس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظلیت میں مسیح موعود بنا کر بھیجا تاکہ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا کے مطابق اسلام کے اکنافِ عالم میں پھیل جانے کا دور جلد مکمل ہو۔ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو یہ بصیرت بھی عطا فرمائے آمین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سورۃ الکہف کی آیات کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں :-

"پھر فرمایا کہ ذوالقرنین کے زمانہ میں جو مسیح موعود ہے ہر ایک قوم اپنے مذہب کی حمایت میں اٹھیگی اور جس طرح ایک موج دوسری موج پر پڑتی ہے ایک دوسرے پر حملہ کریں گے۔ اتنے میں آسمان پر قرنا پھونکی جائیگی یعنے آسمان کا خدا مسیح موعود کو مبعوث فرما کر ایک تیسری قوم پیدا کر دیگا اور انکی مدد کیلئے بڑے بڑے نشان دکھلائے گا یہاں تک کہ تمام سعید لوگوں کو ایک مذہب پر یعنی اسلام پر جمع کر دیگا۔ اور وہ مسیح کی آواز سنیں گے اور اسکی طرف دوڑیں گے تب ایک ہی چوپان اور ایک ہی گلہ ہوگا۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۰۹)

مقالاتِ اقبال کی حقیقت

احمدیت کے خلاف علامہ اقبال کے مقالات کی حقیقت پر پہلی قسط دسمبر ۱۹۵۲ء کے الفرقان میں شائع ہو چکی ہے۔ انشاء اللہ فروری ۱۹۵۳ء کے رسالہ میں ان مقالات پر مفصل بحث شائع ہوگی۔ ان مضامین کو خاص طور پر علامہ اقبال کے مداحوں تک پہنچانا ضروری ہے +

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت!

توریثِ انبیاء کے متعلق جماعتِ احمدیہ کا مسلک!!

ایک شیعہ دوست رفیع حیدر صاحب ملتان سے لکھتے ہیں :-

"مَیں چند سوالات آپ سے پوچھنے کی جرأت کر رہا ہوں اگر جواب مل جائے تو زہے نصیب ؟

"مذہبی انسائیکلوپیڈیا کے صفحہ ۲۷۶ پر مصنف نے باغِ فدک پر بحث کی ہے اور حضرت ابوبکرؓ کو الزام سے بَری کرنے کی کوشش کی ہے اور ثبوت مندرجہ ذیل حدیث سے دیا جاتا ہے۔

"رسول ورثہ نہیں چھوڑتے اور ان کا کوئی وارث نہیں ہوتا"

لیکن اسی کتاب میں صفحہ ۱۰۸۰، ۸۱ پر جب مذہب اکثریت نے آپ کے مسیح موعود پر وارث بنانے اور ورثہ دینے پر اعتراض کیا تو مصنف نے ثابت کیا کہ "رسول ورثہ چھوڑتے ہیں اور وارث بناتے ہیں۔"

اور ثبوت میں قرآن کی آیتیں پیش کرتے ہیں۔

اب اگر دونوں عبارتوں پر نظر ڈالیں تو ایک نتیجہ نکلتا ہے۔

۱- باغِ فدک کے معاملے میں صرف حدیث کا سہارا لیکر ابوبکر کو بَری کیا گیا۔

۲- دوسری عبارت میں قرآن کا سہارا لیکر مرزا صاحب کا فعل جائز قرار دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے! کہ قرآن جو کچھ کہتا ہے وہ ٹھیک ہے یا حدیث جو کچھ کہتی ہے وہ؟ حدیث کو جانچنے کا صرف ایک آلہ بتایا گیا ہے وہ ہے قرآن شریف۔ جو حدیث قرآن سے ملتی ہے وہ درست باقی غلط۔ اور یہاں حدیث اور قرآن ایک دوسرے کے حریف ہیں۔

مندرجہ بالا عبارت کو پڑھ کر مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دیجئے۔

(۱) محمد صلعم سے پہلے (اور مصنف کے عقیدے کے مطابق) اور بعد میں تمام رسولوں کو یہ حق دیا گیا کہ وہ ورثہ چھوڑیں اور وارث بنائیں مگر حضور نے ایسا کیوں نہ کیا؟

۲- جو فعل تمام نبی انجام دیتے چلے آئے (آپ کے عقیدے کے مطابق) بعد میں بھی دیتے رہیں گے اسکو رسولؐ نے کیوں ترک کیا —— ایسے فعل کو ترک کرنے کیلئے کیا خدا نے کوئی حکم دیا تھا! اگر دیا تھا تو وہ کہاں ہے؟

۳- کیا یہ حدیث صرف ابوبکر اور عائشہ نے سُنی تھی یا اور بھی کوئی راوی ہے؟

۴- کیا دخترِ رسول اس حدیث سے ناواقف تھیں جو غلط دعویٰ کر بیٹھیں؟

۵- ایک فریق دخترِ رسول اور دوسرا ابوبکر خلیفۂ وقت! غلطی پر کون تھا؟

۶- اگر ابوبکر نے ٹھیک کیا تو پھر آپ کے مسیح موعود کوئی نئی شریعت نہیں لائے تھے لہٰذا جو حکم محمد صلعم کیلئے تھا وہ آنجناب کیلئے کیوں نہیں؟

۷- جب رسول کیلئے حدیث کا سہارا لیا تو پھر آپ قرآن کی طرف کیوں رجوع کرتے ہیں اور اگر آپ نے قرآن کا سہارا لیا تو پھر ان کیلئے حدیث کیوں؟

۸- کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز ایک نبی کیلئے جائز ہو اور دوسرے کیلئے نہیں؟

۹- عمر بن عبدالعزیز اور مامون نے باغِ فدک اولادِ فاطمہ کو کیوں واپس کیا؟

۱۰- آپ کے مسیح موعود غلطی پر ہیں یا ابوبکر؟

۱۱- صرف ایک شخص کے کہنے سے کہ مَیں نے یہ حدیث رسول سے سُنی ہے دخترِ رسول کو اسکے ترکہ سے محروم کر دینا حاکمِ وقت کی غلطی نہیں؟

مجھے اُمید ہے آپ مندرجہ بالا سوالات کا قرآن اور مستند تواریخ سے جواب دینے کی کوشش کرینگے صرف عقیدے کو سامنے رکھ کر نہیں۔ مَیں ایک طالب علم ہوں مذہب اور سچائی کی ہر مسلمان کو جستجو کرنی چاہیئے۔"

الجواب :- باغِ فدک کا جھگڑا تیرہ سو (۱۳۰۰) سال سے شیعہ اور

شیعہ صاحبان میں متنازع فیہ ہے اس کا حل صرف جماعت احمدیہ کے مسلک سے ہو سکتا ہے اسلئے مکرم جناب رفیع حیدر صاحب کے سوالات پر نمبروار کچھ لکھنے سے پہلے اصولی طور پر اس مسلک کی تشریح ضروری ہے۔ ہمارا مسلک یہ ہے کہ قرآن مجید نے آیت میراث میں جو احکام دیئے ہیں وہ عام ہیں کسی سے مخصوص نہیں ان سے کوئی شخص نبی ہو یا غیر نبی مستثنے نہیں۔ اور یوں بھی نبی کا بیٹا یا بیٹی ہونا کوئی جرم نہیں کہ اس کی وجہ سے کسی کو محروم الارث قرار دیا جائے بلکہ یہ تو بجائے خود ایک فضیلت ہے اور اعمال صالحہ بجالانے والی ذریت اور رشتہ داروں کے لئے نورٌ علیٰ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہاں اسلام نے روحانی ورثہ میں ظاہری نسب پر دار و مدار نہیں رکھا چنانچہ تفسیر صافی میں لکھا ہے:۔

"ان النبوة ليست بالنسب والمال وانما هي بفضائل نفسانية
يخص الله بها من يشاء من عباده"

کہ نبوت نسب اور مال کی وجہ سے نہیں بلکہ روحانی کمالات کی وجہ سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس سے مخصوص کرتا ہے" (زیر لفظ اللہ اعلم حیث یجعل رسالته)

پس اگر کوئی شخص یہ گمان کرتا ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے کچھ نہیں مل سکتا کیونکہ وہ نبی کی صاحبزادی ہیں تو یقیناً ایسا گمان غلط اور نص قرآنی کو منسوخ کرنیوالا ہوگا اور عقل بھی ایسے گمان کی تردید کرتی ہے۔

اگر یہ سوال ہو کہ اندریں صورت اس اشکال کا کیا حل ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے باغ فدک[1] حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مطالبہ کے باوجود ان کو کیوں نہ دیا؟

[1] ہم اس جگہ تاریخی روایت کی تدقیق سے قطع نظر کر کے عام روایت کو تسلیم کر رہے ہیں +

سو اس کے جواب کے لئے سب سے پہلے قرآن مجید پر غور کریں۔ فریقین کے نزدیک باغ فدک فئی میں سے ہے جس کا حکم یہ ہے:۔

ما افاء الله على رسوله من اهل القرى فلله و
للرسول ولذى القربى واليتمى والمساكين و
ابن السبيل كى لا يكون دولة بين الاغنياء منكم
وما اتكم الرسول فخذوه وما نهكم عنه
فانتهوا واتقوا الله ان الله شديد العقاب ۰ (الآیات)

(الحشر آیت ۷-۸-۹)

ان آیات میں اس فئی کے حقدار اللہ، رسول، رشتہ دار، یتامی، مساکین، مسافروں، فقراء مہاجرین اور فقراء انصار وغیرہم کو قرار دیا گیا ہے۔ ان آیات پر غور کرنے سے ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ ایسے اموال اور باغات وقف کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی آمد سے ان مذکورہ افراد کو حسب ضرورت امداد ملتی رہیگی۔

ہمارے نزدیک نبی اور اسکے خلفاء ایسے جماعتی اوقاف کے نگران اعلیٰ ہوتے ہیں مگر یہ اوقاف ان کی ذاتی جائداد نہیں ہوتے۔ دنیا میں ہر عہدہ دار کے قبضہ میں کچھ جماعتی اور قومی جائداد ہوتی ہے اور کچھ اسکی ذاتی جائداد ہوتی ہے ذاتی جائداد پر اسکے مالکانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں اور قومی جائداد کا وہ نگران اور منتظم ہوتا ہے مالک نہیں ہوتا۔ نبی کی بھی یہ دو حیثیتیں ہوتی ہیں ہر فوت ہونیوالے انسان کی ذاتی جائداد میں سے اسکے مقررہ ورثاء کو حصہ ملیگا اور قومی جائداد اسکے جانشین کی نگرانی میں منتقل ہو جائیگی۔ ہر نبی اور ہر مومن کا یہی حال ہے جو اموال اسکے قبضہ میں بطور نگران اور امین کے ہونگے وہ اسکی وفات پر اسکے جانشین کے قبضہ میں چلے جائینگے۔ نبی کے بعد خلیفہ ان اموال کا نگران و امین ہوگا پہلے خلیفہ کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور تیسرے کے بعد چوتھا خلیفہ ان اموال کا نگران و امین ہوگا۔ وہ قومی اموال نہ نبی کے ورثہ

میں بالکانہ قبضہ کے طور پر تقسیم ہوں گے اور نہ ہی کسی خلیفہ کے وارث اُن کے مالک قرار پائیں گے وہ بدستور قومی جائداد رہیں گے خلفاء ان کی مناسب طریق پر نگرانی کرتے رہیں گے اور اُن کی آمد کو حسب منطوق آیتِ قرآنی حقداروں میں تقسیم کرتے رہیں گے۔

اِس تشریح کی روشنی میں یہ بات نہایت واضح ہے کہ جب باغِ فدک کو قومی وقف کی حیثیت حاصل تھی تو اسے نبی کے وارثوں میں تقسیم نہ کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی کسی خلیفہ کے وارث اس پر حقِ ملکیت حاصل کرنیکا مطالبہ کر سکتے تھے اسے وقف قومی کی حیثیت میں رکھنا ضروری تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور باقی تمام خلفاء الراشدین حتّٰی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے بھی اس جائداد کو اسی حیثیت میں رکھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی جائداد میں سے کچھ باقی نہ تھا۔ آپؐ سب مال راہِ خدا میں خرچ کر دیتے تھے جو قومی اموال آپؐ کے ہاتھ میں نظر آتے تھے وہ قوم کی امانت تھے اس لئے ان میں ورثہ کا سوال پیدا نہ ہوتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ما ترکناہ صدقۃ اسی پر دلالت کرتا ہے۔ ہاں جن نبیوں کی ذاتی جائداد ہوتی ہے اُن کے ترکہ میں سے اُن کے وارثوں کو شرعی قانون کے مطابق حصہ ملتا ہے اور ملتا رہیگا۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی ذاتی جائداد میں شرعی قانون کے مطابق وراثت جاری ہوئی اور جو قومی جائداد آپؐ کی نگرانی میں تھی اس میں وراثت جاری نہیں ہوئی بلکہ وہ آپ کے خلفاء کی نگرانی میں منتقل ہوگئی۔

اِس مسلک سے سوالاتِ بالا کا اصولی اور مکمل حل ہو جاتا ہے۔ نمبروار مختصر جواب حسب ذیل ہے:۔

(۱) ورثہ ذاتی جائداد میں ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے وقت ذاتی جائداد نہ تھی۔

(۲) جواب اُوپر آ چکا ہے۔

(۳) یہ حدیث اور صحابہؓ کو بھی معلوم تھی۔ جہاں یہ حدیث مذکور ہے وہاں ہی لکھا ہے کہ حضرت علیؓ۔ حضرت عباسؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ کو بھی یہ معلوم اور مسلّم تھی۔ (بخاری کتاب النفقات)

(۴) ممکن ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ حدیث معلوم نہ ہو۔

(۵) اِس تقابل کا سوال ہی نہیں صرف فرمانِ الٰہی اور فرمانِ نبویؐ کی تنفیذ کا سوال ہے۔

(۶) جواب پُوری وضاحت سے اُوپر آ چکا ہے۔

(۷) ہم تو قرآن اور حدیث دونوں کو مانتے ہیں۔

(۸) اِس جگہ یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

(۹) اِس کا ثبوت آپ کے ذمہ ہے!

(۱۰) دونوں مقدس صحت پر ہیں۔ دونوں کا ایک ہی مسلک ہے۔

(۱۱) یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دخترِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے حق سے محروم کیا جاتا تو کیا اُمت اس پر صبر کر سکتی تھی؟ کیا حضرت شیرِ خدا علی کرم اللہ وجہہٗ اس کو خاموشی سے برداشت کر لیتے؟ ہرگز نہیں +

تردید بہائیت

"شاہد موعود" حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع و امتی ہے

آیت وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ کے متعلق بہائی رسالہ کے اعتراضات کے جواب

بہائیت اور احمدیت کے درمیان فرق سمجھنے کے لئے فیصلہ کن بیان!

الفرقان (جولائی ۱۹۵۲ء) میں آیت قرآنی اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً (ہود:۱۷) کی تفسیر بیان ہو چکی ہے۔ اس تفسیر میں اہل بہاء کے غلط استدلال کی تردید بھی کی گئی ہے۔ بہائیوں کا خیال ہے کہ جملہ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ میں جس موعود شاہد کا ذکر ہے وہ علی محمد باب ہے جنہوں نے بزعم خویش اپنی تصنیف "البیان" کے ذریعہ قرآن مجید کے منسوخ ہونے کا اعلان کیا ہے۔ ہمارے نزدیک باب کو شاھدٌ منہ کا مصداق قرار دینا سراسر غلط ہے۔ ہم نے بہائی تفسیر بالرائے کی تردید میں جو بیان شائع کیا تھا اس پر بہائی رسالہ "بشارت" کراچی (دسمبر ۱۹۵۲ء) نے کچھ اعتراضات کئے ہیں۔

آیت کا مفہوم آیت کا مفہوم اپنے سیاق و سباق کے لحاظ سے نہایت واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ ہود ع ۲ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صادق و راستباز ہونے پر چند دلائل ذکر فرمائے ہیں۔ آیت زیر نظر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت پر تین قسم کے دلائل مذکور ہوئے ہیں۔ اوّل زمانہ ماضی کا بیّنہ جس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیان کردہ پیشگوئیاں ہیں جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے پوری ہوئیں۔ اس شہادت کا ذکر آیت کے الفاظ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً میں موجود ہے۔ دوم زمانہ حاضر کا بیّنہ۔ اس سے مراد وہ معجزات اور آیات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت ظاہر ہو رہے تھے اور منکرین پر اُن سے ہر روز حجت تمام ہو رہی تھی۔ اس شہادت کا ذکر آیت کے پہلے حصہ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ میں ہے۔ سوم زمانہ مستقبل کا بیّنہ۔ اس سے آئندہ زمانہ میں صداقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دینے والا وہ عظیم الشان شاہد مراد ہے جو بامر الٰہی مامور ہونے والا تھا۔ اس کا ذکر آیت کریمہ کے الفاظ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ میں آیا ہے۔

آیت کا لفظی ترجمہ یوں ہوگا کہ "کیا وہ شخص (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) جو اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر قائم ہے اور جس کے بعد اس کی طرف سے عظیم الشان شاہد بھی آئے، اور جس کے پہلے موسیٰ کی کتاب (اس کی سچائی کی طرف) بطور امام اور رحمت ہو" کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا

ہے جیسے یہ باتیں حاصل نہ ہوں؟

اب ہم ذیل میں بہائی اعتراضات کا جواب عرض کرتے ہیں:۔

پہلا اعتراض اور اس کا جواب

بہائی لوگ "افمن" کا ترجمہ "کیا وہ لوگ" کرتے ہیں۔ اور اس سے مراد اپنی غرض کے ماتحت "آنحضرتؐ اور صحابہ" لیتے ہیں (بشارت جولائی ۱۹۵۲ء) ہم نے لکھا تھا کہ:۔

"آیت میں لفظ مَنْ عام ہے لیکن اس جگہ اس سے شخص واحد مراد ہے۔ اسلئے تمام ضمائر بصیغۂ واحد مذکور ہیں۔ اس شخص واحد کی تعیین ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے مختص ہے۔"

اس واضح بات کی تردید کے لئے بہائی اعتراض ملاحظہ ہو لکھتے ہیں کہ:۔

"آپ خود مانتے اور کہتے ہیں کہ آیت میں مَنْ عام ہے اسلئے مَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مومنین مراد ہیں کیونکہ پیغمبر اور اس کے متبعین دونو خدائی بیّنہ پر قائم ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں تصریح فرمائی ہے قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (یوسف ۱۲)"

الجواب۔ سورۂ یوسف کی آیت آپ نے غلط لکھی ہے۔ اصل آیت یوں ہے۔ قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ "اے رسول! فرما دیجئے کہ یہ میرا طریقہ ہے میں اللہ کی طرف علیٰ وجہ البصیرت دعوت دیتا ہوں۔ نیز میرے پیرو بھی"۔ آیت قرآنی قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَکَذَّبْتُمْ بِہٖ (الانعام: ۵۷) صاف طور پر تعیین کر رہی ہے کہ اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ سے مراد حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بے شک لفظ مَنْ اپنی لغوی وضع کے لحاظ سے عام ہے مومن، کافر نیز نبی اور غیر نبی سب کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن آیت زیر نظر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ کے ترجمہ میں اپنی غلطی کا اعتراف کرنا بہائی ایڈیٹر کیلئے مشکل نظر آتا ہے حالانکہ اسی مضمون میں وہ لکھ چکے ہیں:۔ "سورہ ہود رکوع ۲ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کے بعد بھی ایک عظیم الشان شاہد منجانب اللہ آئے گا۔" (ص۱۱) نیز لکھا ہے "آیت اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاحب شریعت رسول ہیں" (ص۱۵) پس ثابت ہوا کہ آیت میں اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ سے مراد صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آیت کا موضوع حضورؐ کی صداقت کو مبرہن کرنا ہی ہے۔

اہل علم کے ذوق سلیم پر گراں نہ ہو تو اب جناب علمی کے یہ دو فقرے بلا تبصرہ پڑھ لیں کہ (۱) "مَنْ جو عام ہے اس کے بعد ضمیر واحد کا آنا اسے فرد واحد کے لئے خاص نہیں کرتا۔" (۲) "یہ کہنا کہ آیت اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ میں ضمائر فرد واحد پر دلالت کر رہی

ہیں بالکل بے بنیاد ہے۔"

۲۔ دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

شَاھِدٌ مِّنْہُ کی ضمیر کے سلسلہ میں لکھا ہے:۔

(الف) "مِنْہُ کی ضمیر رب کی طرف راجع ہے اور اس کے لئے کوئی وجہ مانع نہیں اور منہ کی ضمیر مَنْ کی طرف راجع کرنے کے لئے کوئی قطعی دلیل یہاں موجود نہیں اور اگر منہ کی ضمیر مَنْ کی طرف راجع کی جائے تو بھی ہمارے مقصد کی تائید ہوتی ہے کیونکہ یہاں مَنْ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین ہیں۔"

(ب) "لفظ منہ سے یہ نکالنا کہ آنحضرت کی پیروی اس کا مشن ہوگا وہ آپ کا اُمتی ہوگا بے بُنیاد خیال ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔"

(ج) "منہ کے یہ معنے کرنا کہ وہ آنحضرتؐ سے فیض یاب ہوگا آپؐ کا پیرو اور اُمتی ہوگا، محض بے بنیاد ہیں۔"

الجواب۔ بہائی ایڈیٹر صاحب کو اوّل تو شاھدٌ منہ کی ضمیر کا مرجع مَنْ تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ ہے مگر انہیں اس کے خلاف کوئی اعتراض نہیں۔ نیز اس کے مخالف انہیں کوئی سند نہیں ملی۔ اسلئے پھر اس پر راضی ہوگئے ہیں کہ چلو منہ کی ضمیر کا مرجع مَنْ ہی سہی مگر اس سے ثابت کیا ہوا؟ اگر آپ اِس "منہ" کی مدد سے آنے والے شاہد کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی یا متبع ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں تو یہ "بے بنیاد" اور "محض بے بنیاد" ہے۔ گویا اگر ہم "منہ" سے اتباع اور پیروی کے استنباط کی سند عرض کر دیں تو بہائیوں کو ہمارے استدلال کے ماننے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ لیجئے ہم اس کی سند اُن کے اپنے مضمون سے اور ان کے اپنے الفاظ میں پیش کر دیتے ہیں۔ لکھا ہے:۔

"آیت فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ (ابراہیم ۶) میں مِنْ سے ایک فرد مراد نہیں بلکہ سب متبعین مراد ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کہتے ہیں کہ جو لوگ میری پیروی کرتے ہیں وہ مجھ میں سے ہیں۔" (صفحہ ۱۲)

فرمایئے! اگر "مِنِّیْ" کا اطلاق "پیروی کرنیوالوں اور متبعین" کے لئے ہے تو "منہ" کے کیوں یہ معنے نہ ہوں گے کہ وہ موعود شاہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا ہوگا اور آپؐ کا متبع ہوگا؟ جنابِ من! اگر "منہ" سے یہ مفہوم نہ نکلتا تو آپ کو منہ کا مرجع مَنْ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی قرار دینے میں کیوں تردد ہوتا اور پھر آپ بلاوجہ "اَفَمَنْ" کی تعیین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ "تمام مومنین" کو شامل کرنے کی غلط کوشش کیوں کرتے؟ یہ سب کچھ تو اسلئے ہے کہ آپ کا دل بھی مانتا ہے کہ اس طرح "منہ" سے اس موعود شاہد کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

درحقیقت یہی تو وہ نقطہ ہے جہاں احمدیت اور بہائیت میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ احمدیت آنے والے موعود کو اسلام کا خادم، قرآن مجید کا متبع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا قرار دیتی ہے اور

بہائیت کے نزدیک وہ موعود نئے دین کا موید، قرآن مجید کو منسوخ ٹھہرانے والا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے علیحدہ ہو کر آنے والا ہے۔ اس سے احمدیت اور بہائیت کا اپنا اپنا نصب العین واضح طور پر متعین ہو جاتا ہے۔ وَهُنَا مُفْتَرَقُ الطُّرُق۔

بے شک آنے والا شاہد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یعنی وہ اس کی طرف سے مامور ہے اس کی شہادت خود ساختہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے امر سے ہے۔ یہ انبیاء اور مامورین کا مقام ہے مگر یہ بھی درست ہے کہ اس کا اس بلند مرتبہ کو پانا اسی لئے ہے کہ وہ حضرت خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا ہے۔ پس مِنْهُ کا مرجع مَنْ قرار پانے سے ایک مزید مفہوم واضح ہو جاتا ہے جس کی تائید دوسری آیت وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (النساء ع ۹) سے بھی ہوتی ہے۔

تیسرا اعتراض اور اس کا جواب

ہم نے لکھا تھا کہ:-

"آیت کا حصہ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ زمانہ مستقبل کی دلیل پر مشتمل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس شاہد کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر تبھی دلیل بن سکتا ہے جبکہ وہ شاہد حضور کا پیروکار ہو اور آپ کی شریعت پر چلانے کے لئے آئے۔ آیت کا لفظ مِنْهُ بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے اور يَتْلُوْهُ سے بھی یہی ثابت ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے چاند کے بارے میں فرمایا ہے وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا۔ اس آیت میں چاند کو سورج کے پیچھے آنے والا قرار دیا گیا ہے۔ یعنی چاند سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ یہی لفظ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ میں استعمال ہوا ہے جس سے واضح ہے کہ آنے والا شاہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں چاند کی حیثیت رکھتا ہے اور حضور اُس کے مقابلہ میں سورج ہیں۔ آیتِ قرآنی وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا بھی اس تفسیر کی مؤید ہے۔" (الفرقان جولائی ۵۲ء ص۸)

اس واضح بیان کے جواب میں بہائی رسالہ لکھتا ہے کہ:-

"شاہد ہونے کے لئے اُمتی پیروکار اور سابقہ شریعت پر چلانے کے لئے آنا ضروری نہیں۔ ہر مستقل صاحبِ شریعت اپنے سے قبل کے رسول کی شہادت دیتا رہا ہے۔ کسی اُمتی کی شہادت کے مقابل صاحبِ شریعت مستقل رسول کی شہادت بہت وزنی اور شاندار ہے اور چونکہ آیت اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ شریعت رسول ہیں اور وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰى میں بھی تورات مستقل شریعت اور حضرت موسیٰ صاحبِ شریعت رسول ہیں پس درمیان میں

جس آنے والے شاہد کا ذکر ہے وہ بھی عظیم الشان مقام شارعیت کا مالک ہونا چاہیئے چنانچہ الحمد للہ آنے والے شاہد موعود حضرت سید علی محمد باب صاحبِ شریعت پیغمبر ہیں۔" (بشارات دسمبر ۵۲ء نمبر ۶ صفحہ ۱۵)

نصِ قرآنی کے الفاظ کے مقابلہ میں بہائیوں کا اِس غلط قیاس کو پیش کرنا درخورِ اعتناء نہیں۔ یہ تو سوال ہی نہیں کہ مستقل صاحبِ شریعت رسول پہلے رسولوں کی شہادت دیتے رہے ہیں یا نہیں؟ اور یہ بھی سوال نہیں کہ کس کی شہادت زیادہ وزنی ہوتی ہے اُمتی رسول کی یا صاحبِ شریعت مستقل رسول کی؟ اِس جگہ سوال تو صرف یہ ہے کہ آیتِ قرآنی وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ میں جس شاہد کی پیشگوئی ہے آیا وہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع اور پیرو کار شاہد ہے یا آپ کی شریعت کو منسوخ کرنے والا بزعم خویش خود صاحبِ شریعت مستقل مُدّعی؟ بتائیے! بہائی ایڈیٹر صاحب نے اِس سوال کا از رُوئے قرآن مجید کیا جواب دیا ہے؟ ہمارے اور بہائیوں کے درمیان یہی امرِ تو متنازعہ فیہ ہے کہ قرآن شریف دائمی ہے یا وقتی۔ بہائی ایڈیٹر صاحب قیاسی ہوشیاری اس بارے میں اپنے دعویٰ کو ہی دلیل گردان رہے ہیں حالانکہ یہ مصادرہ علی المطلوب ہے۔ جب قرآنی شریعت دائمی اور غیر منسوخ ہے تو باب کا مدعیٔ شریعت ہونا اس کے کاذب ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے بے بُنیاد اور غلط دعویٰ کو ہمارے خلاف بطور دلیل استعمال کرنا کس قدر بے انصافی ہے۔

آیت کریمہ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً پر غور کرنے سے بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دلیل قرار دیا ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ پیشگوئیوں کے مطابق مستقل صاحب شریعت ہونے میں مثیلِ موسیٰ تھے۔ اسلئے مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً کہہ کر موسوی شریعت کی شہادت کو پیش فرمایا۔ لیکن آنے والے شاہد موعود کی شہادت چونکہ مستقل صاحبِ شریعت کی شہادت نہیں اسلئے اسے "ومن بعدہ کتاب شاهدٍ اماماً ورحمةً" کے الفاظ میں ادا نہیں کیا بلکہ چونکہ شاہد موعود کی یہ شہادت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے **فیضان** کا پرتو ہے جس سے زیادہ وزنی شہادت ممکن نہیں اسلئے اسے پہلے حصہ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ کے ساتھ ملحق کرتے ہوئے وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ کے الفاظ میں ذکر فرما دیا۔ اِن الفاظ کا مقام اور ان کا مفہوم صریح دلالت کر رہا ہے کہ یہ موعود شاہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہے مستقل صاحبِ شریعت نہیں ہے۔ یہ آیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور سچائی پر دلالت کے بیان میں ہے نہ کہ آنحضرتؐ کی شریعت کے نسخ کے ذکر کے لئے۔ اگر آنے والے شاہد کا مستقل صاحبِ شریعت ہونا مقصد ہوتا تو ترتیب زمانی کو ملحوظ رکھا جاتا اور اِس حصہ کو پیچھے رکھ کر ایک مستقل حیثیت دی جاتی۔ پس الفاظ کا مقام

بتلا رہا ہے کہ یہ مستقل صاحبِ شریعت شاہد کی خبر نہیں ہے۔
پھر الفاظ تو بابیت اور بہائیت کے زعمِ باطل کی بالبداہت تغلیط کر رہے ہیں۔ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ اس جگہ شاہد کے لئے یَأْتِی (آئے گا) کا لفظ نہیں لایا گیا بلکہ یَتْلُوهُ کا لفظ رکھا گیا ہے۔ قابلِ غور ہے کہ کلامِ الٰہی میں اس لفظ کے اختیار کرنے کی کیا حکمت ہے؟
یتلوہ کے معنے ہیں کہ وہ موعود شاہد" من کان علیٰ بیّنۃ " (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیروکار اور متبع ہوگا۔ عربی زبان میں" تَلَاهُ "کے معنے" تَبِعَه "ہیں۔ (المنجد) علامہ مجدالدین صاحب القاموس المحیط لکھتے ہیں: "تَلَوْتُه، کدعوتہ ورمیتہ تلواً کسمو تَبِعْتُهُ" کہ تلاہ کے معنے متبع ہونے کے ہیں (جلد ۴ صفحہ ۳۰۸) لغت عربی کے محقق امام راغب الاصفہانی اپنی مشہور لغت میں لکھتے ہیں:۔

" تلیٰ: تَبِعَه متابعةً لیس بینهم مالیس منها وذلك یکون تارة بالجسم وتارة بالاقتداء فی الحکم ومصدره تلوّ وتِلْو وتارة بالقراءة اوتدبر المعنی ومصدره تلاوة۔ وَالْقَمَرِ إِذَا تَلٰهَا اراد به ههنا الاتباع علیٰ سبیل الاقتداء والمرتبة وذلك انه یقال ان القمر هو یقتبس النور من الشمس وهو لها بمنزلة الخلیفة وقیل علیٰ هذا نبّه قوله جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا۔ و الضیاء اعلیٰ مرتبة من النور اذ کان کل ضیاءٍ نوراً ولیس کل نورٍ ضیاءً۔ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ای یقتدی به ویعمل بموجب قوله "۔ (المفردات صفحہ ۷۸ زیر لفظ تلی)

ترجمہ:۔ تلا کے معنے کامل متابعت کے ہوتے ہیں۔ یہ کبھی جسمانی ہوتی ہے اور کبھی حکم میں اقتداء اور پیروی کے لحاظ سے۔ اس صورت میں اس کا مصدر تُلُوٌّ اور تِلْوٌ آتا ہے۔ کبھی یہ متابعت پڑھنے اور معنے پر تدبر کرنے کا مفہوم رکھتی ہے۔ اس صورت میں اس کا مصدر تِلَاوَةٌ ہوتا ہے۔ آیت قرآنی وَالْقَمَرِ إِذَا تَلٰهَا میں تلا کا لفظ اقتداء اور مرتبہ کی پیروی کے لحاظ سے ہے کیونکہ یہ معلوم ہے کہ چاند سورج سے نور لیتا ہے اور چاند سورج کے لئے بمنزلہ خلیفہ کے ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آیت قرآنی جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا میں بھی اسی بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ضیاء بلحاظ روشنی کے نور سے اعلیٰ مرتبہ پر ہے کیونکہ ہر ضیاء پر نور کا اطلاق ہو سکتا ہے لیکن ہر نور کو ضیاء نہیں کہہ سکتے۔ آیت قرآنی وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ میں یَتْلُو کے معنے

یہ ہیں کہ وہ شاہد اپنے مشہود کی اقتداء اور پیروی کرے گا اور اس کے قول کے مطابق عمل پیرا ہوگا۔"

عربی زبان کے ان لغوی حوالہ جات سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ موعود شاہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتدی اور پیروکار ہے اور وہ آپؐ کا اُمتی ہے۔ یہ مفہوم یَتْلُوْہُ سے بھی عیاں ہے اور مِنْہُ کی ضمیر کا مرجع مَنْ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دینے سے بھی یہی مفہوم متعین ہوتا ہے۔ پس بے شک وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ والا شاہد مامور من اللہ ہے مگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی، آپؐ کا مقتدی اور پیروکار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام آفتابِ حقیقت کا ہے اور یہ موعود شاہد ان سے اقتباسِ نور کی وجہ سے ماہتاب ہے۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ باب کو جو بقول بہائیاں "مقامِ شارعیت کا مالک" بننے کے مدعی تھے، آیت وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ کا مصداق قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ ان کے مقامِ شارعیت کے ادعاء کی وجہ سے ان کا کاذب اور مفتری ہونا بالبداہت ثابت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بہائی لوگ ناواقف عوام مسلمانوں کو قرآن مجید کا نام لے کر وسوسہ میں مبتلا کرتے ہیں اور اس کی غلط سلط تفسیر کرکے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں ورنہ اگر حقیقت پسندی اور خداترسی سے کام لیا جائے تو اس ایک آیت وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ سے ہی بابیت اور بہائیت کا باطل ہونا بالکل عیاں ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

"عربی زبان کے متعلق آسان اسباق" بقیہ صفحہ ۲۴

يَشْعُرُوْنَ	كَذَبَ	يَكْذِبُوْنَ
وہ شعور رکھتے ہیں	اُس نے جھوٹ بولا	وہ جھوٹ بولتے ہیں

نوٹ ۱:۔ یہ چالیس فعل آپ کے سامنے ہیں ان کو اور انکے معنوں کو یاد کرلیں۔

نوٹ ۲:۔ فعل کے کرنے والے کو فاعل کہتے ہیں اور فعل کا اثر جس پر واقع ہوتا ہے اُسے مفعول بہٖ کہتے ہیں۔ نَزَلَ زَيْدٌ (زید اُترا) مکمل جملہ ہے اس کے لئے کسی مفعول بہٖ کی ضرورت نہیں۔ اَنْزَلَ زَيْدٌ (زید نے اُتارا) ناقص ہے جب تک اسکے ساتھ مفعول بہٖ کا یعنی اُس چیز کا جو اُتاری گئی ہے ذکر نہ ہو۔ پورا جملہ یوں ہوگا۔ اَنْزَلَ زَيْدٌ كِتَابًا (زید نے کتاب اُتاری)

چوتھا سبق

(جملہائے فعلیہ)

نَعْبُدُ اللّٰهَ	اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ	يُنْفِقُ زَيْدٌ مَالَهٗ
ہم اللہ کی عبادت کرتے ہیں	اللہ نے اُس پر انعام کیا	زید اپنا مال خرچ کرتا ہے
اَنْفَقَ بَكْرٌ مَالَهٗ	رَزَقَنِيَ اللّٰهُ غُلَامًا	هَلْ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ
بکر نے اپنا مال خرچ کردیا	مجھ کو اللہ نے بیٹا دیا	کیا تُو نے اُس پر انعام کیا؟
يَهْدِيْنَا رَبُّنَا	هَدَانِيْ رَبِّيْ	نَزَلَ الْقُرْاٰنُ
ہم کو ہمارا رب ہدایت دیگا	میرے رب نے مجھے ہدایت دی	قرآن نازل ہوا

اَنْزَلَ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کیا +

نوٹ ۱:۔ ان میں سے ہر ایک **جملہ فعلیہ** کہلاتا ہے جس میں پہلی جز فعل ہے۔ ترکیب کے وقت فعل کے بعد فاعل آتا ہے اور اگر فعل ایسا ہے کہ مفعول بہٖ کا تقاضا کرتا ہے تو بالعموم مفعول بہٖ فاعل کے بعد ذکر ہوتا ہے۔ آپ خود اس ترتیب سے جملے بنا سکتے ہیں۔ نوٹ ۲:۔ آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ فاعل پر ہر جگہ رفع یعنی پیش پڑھی جاتی ہے — قاعدہ ثانیہ: فاعل ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے +

باب الاستفسارات

سوالات اور اُن کے جواب!

(۱) "کیا حدیث مجدد شیعہ صاحبان کی مسلمہ احادیث میں بھی مروی ہے؟" (شریف احمد امینی حیدرآباد دکن)

الجواب: شیعہ صاحبان کی مسلمہ کتاب اصول کافی میں یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالفاظ: اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا مروی ہے۔ (اصول کافی صفحہ ۱۹۲ خاتمۃ الطبع)

(۲) "سورۂ احزاب کی آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ فَمَا لَکُمْ عَلَیْھِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَھَا کی تشریح فرمائیں۔ مس سے کیا مراد ہے؟" (غلام احمد سوداگر وزیر آباد)

الجواب:۔ اس آیت میں اس صورت کا ذکر ہے جب کہ خاوند خلوتِ صحیحہ سے پہلے ہی طلاق دیدے۔ ایسی صورت میں عورت نکاح ثانی کے لئے عدت گذارنے کی مکلف نہیں۔ مس سے مراد خلوتِ صحیحہ یعنی خاوند و بیوی کے تعلقات ہیں۔

(۳) ایک دوست قرآن پاک پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ "جب کلام اللہ کا مکمل ہونے کا دعویٰ ہے اور کسی جگہ قرآن پاک میں لکھا ہے کہ ہم مشرک مردوں کو مشرکہ عورتیں دیتے ہیں اور مومن مردوں کو مومنہ عورتیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ فرعون باوجود مشرک ہونے کے مومن بیوی حضرت آسیہ رکھتا تھا اور حضرت لوطؑ باوجود مومن ہونیکے ان کی بیوی مشرک اور مرتد تھی؟" (حبیب الرحمٰن صوبیدار)

الجواب:۔ قرآن مجید میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ "ہم مشرک مردوں کو مشرکہ عورتیں دیتے ہیں اور مومن مردوں کو مومنہ عورتیں" قرآن مجید نے مسلمانوں کیلئے بطور قانون یہ فرمایا ہے کہ مومن عورت کسی مشرک کے نکاح میں نہ دی جائے۔ ہاں اُس نے مومن مرد کیلئے غیر مسلم اہل کتاب عیسائی یہودی وغیرہ عورتوں سے نکاح جائز رکھا ہے۔ حضرت لوطؑ کی بیوی نے ان کے دعویٰ نبوت کی تکذیب کی اسلئے اس کا انجام ہلاکت ہوا۔ حضرت آسیہ کا مقام ولایت کا ہے وہ فرعون کے ظالمانہ افعال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتی تھیں۔ یہ دونوں مثالیں ثابت کرتی ہیں کہ بعض دفعہ نبی سے جسمانی تعلق رکھنے والے اپنی بداعتقادی اور بدعملی سے تباہ ہو سکتے ہیں اور بعض دفعہ برے آدمیوں کے ساتھیوں کو نیک اعمال کی وجہ سے اعلیٰ درجات مل سکتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ غالباً اس دوست کو سورۂ نور کے ان الفاظ سے شبہ پیدا ہوا ہے "الخبیثٰتُ للخبیثین والخبیثون للخبیثٰتِ والطیبٰت للطیبین والطیبون للطیبٰتِ اولٰئک مبرءون مما یقولون لھم مغفرۃٌ ورزقٌ کریم۔" اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ بُرے لوگوں کیلئے بُری باتیں یا بُرے صفات ہوتے ہیں اور بُری باتیں بُرے لوگوں کیلئے ہوتی ہیں۔ پاک لوگوں کے بارے میں پاکیزہ باتیں ہی سزاوار ہیں اور پاک باتیں پاک لوگوں کیلئے ہوتی ہیں۔ یہ پاکباز لوگ ان الزامات سے بری ہیں جو دوسرے لوگ ان پر لگاتے ہیں ان کیلئے مغفرت اور رزق کریم ہے۔" یہ آیت گندے الزاموں سے بریت کیلئے ایک اصولی مسئلہ پر مشتمل ہے۔ ہاں اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قلبی اور دلی تعلق نیک اعمال انسانوں کا ہی باہم ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا دونوں رشتے اصل جوڑ تھے ہی نہیں اسی لئے قائم نہ رہ سکے +

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی فلسطین سے ہجرت

انجیل یوحنا کا ایک اقتباس اور اُس کا صحیح ترجمہ!

(جناب شیخ عبد القادر صاحب لائلپور)

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی مادری زبان اُس وقت کے یہودیوں کی زبان کی طرح آرامی تھی۔ سب سے پہلے اسی زبان میں اناجیل اربعہ مرتب کی گئیں۔ بعد میں جب یونانی زبان میں ان کا ترجمہ ہوا تو بعض امور اختلافِ زبان اور ترجمہ کی غلطی کے باعث مشتبہ ہو گئے اور عقائد کے ذکر میں بعض باتوں کی کمی بیشی کر دی گئی۔

پروفیسر چارلس کٹلر ٹوری نے جو کہ السنہ سامیہ کے بہت بڑے ماہر ہیں اناجیل اربعہ کا ترجمہ آرامی زبان کو مدنظر رکھ کر کیا ہے۔ آپ اپنی کتاب The Four Gospel میں ثابت کرتے ہیں کہ چاروں اناجیل شروع میں آرامی زبان میں لکھی گئیں، بعد میں ان کا ترجمہ یونانی میں ہوا۔ یونانی مترجمین نے جہاں جہاں غلطیاں کی ہیں اُن کی نشاندہی آپ نے بڑی خوبی سے کی ہے۔ آپ کے ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ الحاقی آیات جو کہ مستند نسخوں میں پائی نہیں جاتیں آپ نے حذف کر دی ہیں۔ مثلاً مرقس کی آخری بارہ آیات جن میں حضرت مسیح ناصریؑ کے آسمان پر جانے اور خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھنے کا ذکر ہے آپ کے ترجمہ میں پائی نہیں جاتیں۔ اور اسی طرح لوقا کے آخری حضرت مسیحؑ کے آسمان پر جانے اور آپؑ کو سجدہ کرنے کا ذکر حذف کر دیا گیا ہے۔ یوحنا آٹھ باب کی پہلی بارہ آیات الحاقی ہونے کے باعث آپ نے درج نہیں کیں۔ اسی طرح بعض آیات کے متعلق آپ نے حاشیہ میں نوٹ دیا ہے کہ یہ الحاقی بیان ہے۔ وہ آیات جو کہ عہدِ حاضر کے سکالرز کے نزدیک متن میں بعد شامل کی گئیں بریکٹ [ ] میں دیدی گئی ہیں۔

یوحنا بارہ باب میں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی فلسطین سے ہجرت کا ذکر ہے۔ لیکن چونکہ یونانی متن آرامی زبان کے کثیر المعنی الفاظ کا متحمل نہیں ہو سکا اس لئے اصل مطلب اور معنے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ پروفیسر ٹوری نے اس موقعہ پر آرامی زبان کے اصل الفاظ کو مدنظر رکھ کر جو حاشیہ دیا ہے وہ قابلِ توجہ ہے۔ ہم پہلے رائج الوقت ترجمہ درج ذیل کرتے ہیں۔ حضرت مسیح ناصریؑ فرماتے ہیں:۔

"اور میں اگر زمین سے اُوپر اُٹھایا جاؤں گا تو

---

[1] پروفیسر ٹوری لکھتے ہیں:۔

"اس میں کسی کو کلام نہیں کہ مسیح اور اس کے شاگرد آرامی بولتے اور آرامی لکھتے تھے۔ مسیح کے کلمات، مواعظ اور اسکے کارہائے زندگی آرامی زبان میں ضبطِ تحریر میں لائے گئے اور اسی زبان میں انہوں نے اشاعت پائی۔" (ملاحظہ ہو دیباچہ)

سب کو اپنے پاس کھینچوں گا۔

لوگوں نے اس کو جواب دیا کہ ہم نے شریعت کی یہ بات سنی ہے کہ مسیح ابد تک رہے گا۔ پھر تو کیونکر کہتا ہے کہ ضرور ہے کہ ابن آدم اُوپر اُٹھایا جائے۔" (یوحنا ۱۲: ۳۲ تا ۳۴)

پروفیسر ٹوری ان آیات پر کتاب کے آخر میں جو نوٹ دیتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آرامی زبان کے کثیر المعنی الفاظ کے لحاظ سے یوحنا کا یہ اقتباس ایک خاص الخاص اقتباس ہے جس کا حل آرامی زبان میں ہی ممکن ہے۔ (ملاحظہ ہو نوٹ یوحنا ۱۲: ۳۱ تا ۳۴ صفحہ ۳۲۵)

ان آیات کے نیچے آپ ایک حاشیہ دیتے ہیں۔ جو کہ درج ذیل ہے:۔

"The Aramaick word which means "to be lifted up" has more commonly the meaning "to go away." Similary, "from the earth" was understood as "from the land" (of Palestine).

P. 214

"آرامی لفظ جس کے معنے اُوپر اُٹھائے جانے کے ہیں اکثر اوقات یہ لفظ ایک جگہ سے دوسری جگہ پر جانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح "زمین سے" (اُوپر اُٹھائے جانے) کا محاورہ (فلسطین کی) زمین سے دوسری جگہ جانے کیلئے مستعمل تھا۔"

اِن معنوں کے پیش نظر پروفیسر ٹوری نے اپنے ترجمۂ انجیل یوحنا میں "ضرور ہے کہ ابن آدم اُوپر اُٹھایا جائے" کی بجائے یہ ترجمہ دیا ہے:۔

"That the son of man must go away"

یعنی ابن آدم ضرور یہاں سے جانیوالا ہے۔ (۱۲/۳۴)

اب ہم ترجمہ میں اس ترمیم کے بعد یوحنا بارہ باب کا وہ مکمل حوالہ درج ذیل کرتے ہیں جس میں حضرت مسیح ناصری ؑ نے اپنی ہجرت کا ذکر کیا ہے۔ واقعۂ صلیب سے پہلے جب آپ یروشلم میں آئے تو آپ نے فرمایا:۔

"یسوع نے جواب میں اُس سے کہا۔ وہ وقت آگیا کہ ابن آدم جلال پائے۔ مَیں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جب تک گیہوں کا دانہ زمین میں گر کر مر نہیں جاتا اکیلا رہتا ہے لیکن جب مر جاتا ہے تو بہت سا پھل لاتا ہے جو اپنی جان کو عزیز رکھتا ہے وہ اُسے کھو دیتا ہے۔ اور جو دُنیا میں اپنی جان سے عداوت رکھتا ہے وہ اُسے ہمیشہ کی زندگی کے لئے محفوظ رکھیگا ....

.... اب میری جان گھبراتی ہے۔ پس مَیں کیا کہوں؟ اے باپ! مجھے اس گھڑی سے بچا۔ نہیں بلکہ یہ کچھ اور معاملہ ہے۔ جس کے باعث مَیں

اب گھڑی تک پہنچا ہوں۔[۱]

اے باپ! اپنے نام کو جلال دے۔ پس آسمان سے آواز آئی کہ مَیں نے اس کو جلال دیا ہے اور پھر بھی دونگا۔ جو لوگ کھڑے سُن رہے تھے اُنہوں نے کہا کہ بادل گرجا۔ اوروں نے کہا کہ فرشتہ اس سے ہمکلام ہوا۔ یسوع نے جواب میں کہا کہ یہ آواز میرے لئے نہیں، بلکہ تمہارے لئے آئی ہے۔ اب دُنیا کی عدالت ہوتی ہے۔ اب دُنیا کا سردار نکال دیا جائیگا۔

اور مَیں اگر زمین سے اُوپر اُٹھایا جاؤنگا (یعنی ارضِ فلسطین سے باہر جاؤں گا) تو سب کو اپنے پاس کھینچوں گا۔

(اُس نے اِس بات سے اشارہ کیا کہ وہ کِس قسم کی موت پانے کو تھا)

لوگوں نے اس کو جواب دیا کہ ہم نے شریعت کی یہ بات سُنی ہے کہ مسیح ابد تک (یروشلم میں۔ ناقل) رہے گا۔ پھر تُو کیونکر کہتا ہے کہ ابن آدم ضرور ہی (یہاں سے) جانے والا ہے۔ یہ ابن آدم کون ہے؟ پس یسوع نے اُن سے کہا اور تھوڑی دیر تک نُور تمہارے درمیان ہے۔" (یوحنا ۱۲: ۲۳ تا ۳۵)

اِن آیات پر غور کریں، مندرجہ ذیل باتیں بالکل واضح ہیں:۔

اوّل:۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صلیبی موت سے بچنے کے متعلق اُن کی دُعاؤں کے جواب میں بتایا کہ تُو ضائع نہیں ہوگا ہاں تجھ پر ایک قسم کی موت ضرور وارد ہوگی۔ ہمارے جلال اور محبت کی خاطر اِس صدمہ کو تجھے برداشت کرنا ہوگا۔ کیونکہ اس حادثہ کے بعد تیری کامیابیوں اور کامرانیوں کا دَور آنے والا ہے: چنانچہ آپ دانۂ گندم کی تمثیل دیتے اور سمجھاتے ہیں کہ جس طرح دانہ موت قبول کرنے کے بعد پھل لاتا ہے اسی طرح جو لوگ راہِ خدا میں اپنی جان عزیز نہیں رکھتے بلکہ اس سے عداوت رکھتے ہیں وہی لوگ اثمارِ رُوحانی سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔

آپ کی دُعاؤں کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آتی ہے کہ یہ ابتلا (تجھے اور تیرے مشن کو برباد کرنے کے لئے نہیں بلکہ) میرے نام کو جلال دینے کا باعث ہوگا۔ پہلے تو آپ دُعائیں کرتے ہیں کہ اِس پیالہ کو مجھ سے ٹال دے اب بھی جان گھبراتی ہے۔ لیکن آپ مطمئن ہیں کہ اِس ابتلا کے پس منظر میں کچھ اَور معاملہ ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

"پس مَیں کیا کہوں۔ اے باپ!

---

[۱] اِس فقرہ کا ترجمہ عام طور پر مختلف کیا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ جیمس مافٹ کے ترجمۂ عہد جدید سے لیا گیا ہے۔ انگریزی میں اصل الفاظ درج ذیل ہیں:۔

"Nay, it is something else that has brought me to this hour."

مجھے اس گھڑی سے بچا لیکن نہیں
یہ کچھ اور معاملہ ہے جس کے باعث
ایسی گھڑی تک پہنچا ہوں"۔

دوم:۔ آپ کی مادری زبان آرامی تھی آپ خطرناک حالات کے پیشِ نظر ایک ذو معنیین لفظ استعمال کرتے ہیں اور صاف اشارہ کرتے ہیں کہ جس موت سے تم مجھے مارنا چاہتے ہو وہ موت مجھ پر وارد نہیں ہوگی۔ میں بچا لیا جاؤں گا اور زمین فلسطین سے اُٹھا لیا جاؤں گا۔ یعنی ارضِ مقدس سے ہجرت کر جاؤں گا۔ ہجرت کے ذکر میں گویا آپ نے صاف اشارہ کر دیا کہ صلیبی موت نہیں بلکہ طبعی موت آپ کے لئے مقدر تھی۔

سوم:۔ فرمایا۔ زمین فلسطین سے اُٹھائے جانے کے بعد میں لوگوں کو اپنی طرف کھینچوں گا۔ یہ محاورہ دوسری جگہ آپ نے لوگوں کے ایمان لانے کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ (یوحنا ۶/۴۴) مراد یہ ہے کہ میری ہجرت کے بعد لوگ مجھ پر ایمان لائیں گے۔ چنانچہ آپ ایک اور موقع پر اپنی ہجرت کے ذکر میں فرماتے ہیں:۔

"میری اور بھی بھیڑیں ہیں جو اس
بھیڑخانے کی نہیں۔ مجھے اُن کا بھی
لانا ضرور ہے۔ اور وہ میری آواز
سُنیں گی۔ پھر ایک ہی گلہ ہوگا اور
ایک ہی چرواہا ہوگا۔" (یوحنا ۱۰/۱۶)

گویا اس ہجرت کے بعد بنی اسرائیل کے گُم شدہ قبائل کا آپ پر ایمان لانا مقدر تھا۔

چہارم:۔ کتاب مقدس میں لکھا ہے کہ خداوند ابد تک یروشلم میں حکومت کرے گا۔ (زبور ۱۴۶/۱۰ یسعیاہ ۹/۷ حزقی ایل ۳۷/۲۵، دانی ایل ۷/۱۴)

یہود حضرت مسیح ناصری کا اشارہ بھانپ کر سوال کرتے ہیں کہ مسیح کے لئے یروشلم میں ابد تک ٹھہرنا ضروری تھا۔ لیکن تُو کون ہے جو کہتا ہے کہ ابن آدم یہاں سے جانے والا ہے؟ آپ فرماتے ہیں:۔

"نُور اور تھوڑے دنوں تمہارے
درمیان ہے۔"

اس طرزِ بیان سے ظاہر ہے کہ آپ حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر پوری وضاحت نہ کرنا چاہتے تھے اس لئے اشارات پر اکتفا کرتے رہے۔ ان اشارات سے یہود بلکہ بعض دفعہ آپ کے شاگرد بھی جھنجھلاتے تھے ہجرت ہی کے ذکر میں آپ شاگردوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:۔

"میں نے یہ باتیں تم سے تمثیلوں میں کہیں
وہ وقت آتا ہے کہ پھر تم سے تمثیلوں میں نہ
کہوں گا۔" (یوحنا ۱۶/۲۵)

یعنی اس ابتلاء کے بعد تم پر اصل حقیقت کھول دی جائیگی کہ میں کیسے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بچ گیا اور کہاں جانے والا ہوں۔ آپ کے ایک اسی قسم کے بیان پر یہود بھی کشمکش و پیچ میں پڑ گئے۔ لکھا ہے:۔

"یسوع نے کہا میں اور تھوڑے
دنوں تک تمہارے پاس ہوں۔ پھر اپنے

بھیجنے والے کے پاس جاتا ہوں۔ (یعنی اللہ تعالےٰ کی راہ میں ہجرت اختیار کر جاؤں گا۔ ناقل) تم مجھے ڈھونڈو گے مگر نہ پاؤ گے اور جہاں میں ہونگا تم نہیں آسکتے۔ یہودیوں نے آپس میں کہا کہ یہ کہاں جائے گا کہ ہم اسے نہ پائیں گے۔ کیا اُن (یہود ناقل) کے پاس جائے گا جو غیر قوموں میں پراگندہ ہیں۔ اور غیر قوموں کو تعلیم دیگا؟ یہ کیا بات ہے جو اس نے کہی کہ تم مجھے ڈھونڈو گے مگر نہ پاؤ گے۔ اور جہاں میں ہوں گا تم نہیں آسکتے۔" (یوحنا ۷/۳۳ تا ۳۶ کیتھولک بائیبل)

یہ بیان بالکل واضح ہے۔ ظاہر ہے "خدا کے پاس جانے" کے محاورہ اور "جہاں میں ہوں گا وہاں تم نہیں آسکتے" کے بیان سے یہود نے یہی سمجھا کہ آپ ارضِ مقدس کو چھوڑ رہے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے پروگرام کو وہ بھانپ گئے تھے۔ کیونکہ آپ نے کئی دفعہ یہ کہا کہ "میں کھوئی ہوئی بھیڑوں کو جمع کرنے کے لئے آیا ہوں۔ میں اُن کے پاس جاؤں گا۔ وہ میری آواز سُنیں گی۔" یہاں تک کہ سردار کاہن کائفا نے بھی جو کہ دل سے آپ کا قائل تھا یہ اشارہ کیا کہ مسیح پر موت وارد ہوگی لیکن ساتھ ہی وہ خدا کے پراگندہ فرزندوں کو جمع کر کے ایک کر دیگا۔ (یوحنا ۱۱/۵۲)

یہاں بھی یہود یہی کہتے ہیں کہ تو اُن علاقوں میں جانے والا ہے جہاں یہود منتشر ہیں۔ لیکن چونکہ مسیح کے الفاظ ذرا مبہم تھے وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

ان آیات کی شرح میں پیکس تفسیر بائیبل میں لکھا ہے:۔

"Perhaps He is thinking of a journey to the Diaspora, where teaching like His might find a more sympathetic audience, not simply among jews but among the Greeks themselves. (See Note on John 7.25-36)

اس عبارت اور سیاقِ عبارت کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"قوم یہود کے سردار مسیح کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں مسیح اس خطرے سے باخبر ہے۔ وہ اپنے دوستوں سے کہتا ہے کہ وہ اُن کے ساتھ زیادہ دیر تک نہ رہے گا۔ وہ اُسے ملنا چاہینگے لیکن نہ پاسکیں گے ..... شاید مسیح اُن علاقوں میں جانے کے لئے سوچ رہا تھا جہاں یہود جلاوطنی کے بعد بس گئے تھے۔ جہاں کہ اس کی تعلیمات کو بہت ہمدردی سے سُننے والے نہ صرف یہود میں سے بلکہ یونانیوں میں سے بھی موجود تھے۔

یہود مسیح کے اس بیان پر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔"

مختصر یہ کہ انجیل یوحنا کے ان بیانات میں خدا تعالیٰ کی راہ میں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی ہجرت کا ذکر ہے۔ یہ سب

انجیلی بیانات صادق و مصدوق سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمودہ کی تصدیق کرتے ہیں :-

اوحی اللہ تعالیٰ الیٰ عیسیٰ ان یا عیسیٰ انتقل من مکان الیٰ مکان لئلا تعرف فتوذیٰ ۔

(کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۳۴)

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ آپ اس جگہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جائیں مبادا آپ پہچانے جائیں اور (دوبارہ) ایذا دیئے جائیں ۔"

انجیل میں بھی یہی الفاظ آئے ہیں ۔ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"میرے باپ کے گھر میں بہت سے مکان ہیں ۔ اگر نہ ہوتے تو میں تم سے کہہ دیتا ۔ کیونکہ میں جاتا ہوں کہ تمہارے لئے جگہ تیار کروں ۔" (یوحنا ۱۴/۲)

ایک مکتوب

ذیل میں مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر کا مکتوب درج کیا جاتا ہے ۔ احباب کرام آخری تجویز کے بارے میں اپنے مشورہ سے مستفید فرمائیں ۔ (مدیر)

"محترم المقام جناب مولانا مولوی ابوالعطاء صاحب فاضل ایڈیٹر رسالہ الفرقان !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

الفرقان کے متعدد نمبر نظر سے گذر چکے ہیں ۔ یہ رسالہ جس رنگ میں علمی خدمت سرانجام دے رہا ہے وہ اپنی جگہ لائقِ تحسین ہے جس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ مگر فی زمانہ بعض ایسے امور کی طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے جو جماعت احمدیہ کے تعلیمی و تبلیغی نظام میں ممد ہونے کے ساتھ ساتھ غیر از جماعت لوگوں کو بھی صحیح اور اصل اسلام سے روشناس کرانے والے ہوں ۔

جماعت احمدیہ کے خلاف اسوقت دو رسالے خاص طور پر مصروفِ پیکار ہیں ۔ ان میں سے ایک تو "طلوعِ اسلام" کراچی ہے اور دوسرا "ترجمان القرآن" لاہور ہے ۔ ان رسائل کے قلمکار جماعت احمدیہ کے بعض عقائد کو نہایت غلط رنگ میں پیش کرتے رہتے ہیں ۔ اس طرح یہ رسائل قارئین کے دلوں میں جماعت کے خلاف نفرت کا بیج بونے میں مصروفِ عمل ہیں ۔ نیز اسلام کی جو تصویر ان رسائل میں پیش کی جا رہی ہے وہ اُس اصل اسلام سے کہیں مختلف ہے جو حضرت سید وُلدِ آدم فخر الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائی ہے اسلئے ان رسائل پر کڑی تنقید جہاں اسلام کی بہت بڑی خدمت ہوگی وہاں جماعت کے لئے بھی ازحد مفید ہوگی ۔

رسالہ الفرقان جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے قرآن مجید کی خدمت کے لئے ہی جاری کیا گیا ہے ۔ گو قرآن مجید کی مختلف آیات کی تشریح اور بعض مشکل آیات کا حل دیا جاتا ہے مگر جیسا کہ اس عظیم و کامل کتاب کا حق ہے اور زمانہ کا تقاضا ہے وہ رنگ تا حال اس رسالہ میں پیدا نہیں ہوا ۔ میری مراد یہ ہے کہ سارا قرآن مجید بسم اللہ کی باء سے والناس کے س تک باترجمہ مع حل لغات و بالتشریح مختصر بار بار پیش کرتے رہنے کی ضرورت ہے تاکہ جہاں جماعت کے لوگ خود فائدہ اٹھا سکیں وہاں دوسروں کو بھی قرآن مجید صحیح طور پر سمجھنے کیلئے یہ رسالہ پیش کر سکیں ۔ امید ہے کہ آنمکرم اپنے رسالہ کے بیشتر صفحات ان ہر دو امور کیلئے مخصوص فرما کر رسالہ کی افادیت کو عام کر کے عنداللہ ماجور و عندالناس ممنون ہونگے ۔ والسلام ۔ عبدالرحمٰن مبشر عفی عنہ سیکرٹری جماعت احمدیہ ڈیرہ غازیخان "

تعلیم اللغۃ العربیۃ

عربی زبان کے متعلق آسان اسباق

[قبل ازیں الفرقان میں " دروس فی اللغۃ العربیۃ " کے زیر عنوان ۲۰ بیس سبق شائع کئے جا چکے ہیں۔ ہمارے مبتدی اصحاب نے ان اسباق کو ذرا مشکل محسوس کیا ہے اسلئے اب نئے طرز پر زیادہ آسان طریق سے " آسان اسباق " کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے۔ اِن اسباق کے لئے قرآن مجید کو سامنے رکھا گیا ہے تاکہ "یک پنتھ دو کاج" والی مثل صادق آئے ——— (ایڈیٹر)]

پہلا سبق

ضروری نوٹ یاد رکھئے کہ جس طرح کسی چیز کے بنانے کیلئے دو۲ باتیں ضروری ہیں (۱) صانع کے پاس وہ مواد موجود ہو جس سے کوئی چیز بنانی مطلوب ہے (۲) صانع کو اس ترکیب کا علم ہو جس سے وہ چیز بنتی ہے۔ مثلاً بڑھئی اگر میز بنانا چاہتا ہے تو اوّل تو اس کے پاس لکڑی ہونی چاہیئے جس سے وہ میز بنا سکے دوم اُسے وہ طریق معلوم ہونا چاہیئے جس سے میز بنایا جاتا ہے۔ اِن دو باتوں کے بغیر کوئی بڑھئی میز بنانے کی خواہش کے باوجود میز نہیں بنا سکتا اسی طرح کسی زبان کو سیکھنے اور اپنانے کیلئے بھی یہی دو باتیں ضروری ہیں۔ اوّل سیکھنے والے کے پاس اس زبان کے الفاظ کا مناسب ذخیرہ ہونا چاہیئے۔ دوم اسے ان الفاظ کو مرکب کرنے اور انہیں استعمال کرنے کا طریق معلوم ہونا چاہیئے جب کوئی شخص کسی زبان کے الفاظ کا کافی ذخیرہ حاصل کر لیتا ہے اور اسے ان کی ترکیب کا علم حاصل ہو جاتا ہے تو وہ اس زبان کو سیکھنے والا قرار پاتا ہے۔

ذخیرۂ الفاظ

اَللّٰهُ	رَبٌّ	عَالَمٌ	يَوْمٌ	صِرَاطٌ	مُسْتَقِيْمٌ
اللہ	پالنے والا	جہان	دن	راستہ	سیدھا
اَلدِّيْنُ	ذٰلِكَ	كِتَابٌ	رَيْبٌ	هُدًى	صَلٰوةٌ
بدلہ	وہ	کتاب	شک	ہدایت	نماز
مُفْلِحٌ	قُلُوْبٌ	اَبْصَارٌ	عَظِيْمٌ	مُؤْمِنٌ	كَافِرٌ
کامیاب	دل	آنکھیں	بڑا	ماننے والا	انکار کرنیوالا
مَرَضٌ	اَلِيْمٌ	اَلْاَرْضُ	اَلسَّمَآءُ	مُصْلِحٌ	
بیماری	دردناک	زمین	آسمان	اصلاح کرنیوالا	
مُفْسِدٌ	رَجُلٌ	اَلنَّاسُ	سَفِيْهٌ	اَنَا	اَنْتَ
فساد پیدا کرنیوالا	مرد	لوگ	بے وقوف	میں	تو
نَحْنُ	هُوَ	نَارٌ	نُوْرٌ	ظُلْمَةٌ	رَعْدٌ
ہم	وہ	آگ	روشنی	اندھیرا	کڑک
بَرْقٌ	اِصْبَعٌ	اَصَابِعُ	صَيِّبٌ		
بجلی یا بجلی کی چمک	انگلی	انگلیاں	بارش		
قَدِيْرٌ					
قدرت رکھنے والا					

دوسرا سبق

مندرجہ ذیل فقروں کی ترکیب پر غور فرمائیں :-

اَللّٰهُ رَبٌّ	ذٰلِكَ كِتَابٌ	هُوَ عَظِيْمٌ	اَنْتَ سَفِيْهٌ.
اللہ پالنے والا ہے۔	وہ کتاب ہے	وہ بڑا ہے۔	تو بیوقوف ہے

اَنَا قَدِیْرٌ	اَنَا مُؤْمِنٌ	هُوَ کَافِرٌ
میں قدرت رکھنے والا ہوں	میں ماننے والا ہوں	وہ انکار کرنے والا ہے
زَیْدٌ مُصْلِحٌ	بَکْرٌ مُفْسِدٌ	اَنْتَ مُفْلِحٌ
زید اصلاح کرنیوالا ہے	بکر فساد پیدا کرنیوالا ہے	تو کامیاب ہے

نوٹ ۱۔ یہ دس جملے ہیں اور ہر جملہ دو دو اسموں سے ملکر بنا ہوا ہے۔ ہر جملہ اپنے مضمون کے لحاظ سے پورا ہے اسلئے ہر ایک جملہ تامہ کہلاتا ہے۔ چونکہ ان میں سے ہر ایک کی پہلی جزء اسم ہے اسلئے ان میں سے ہر ایک جملہ جملہ اسمیہ کہلائے گا۔ جملہ اسمیہ دو جزؤں سے مرکب ہوتا ہے (۱) مبتداء (۲) خبر مندرجہ بالا فقرات میں ہر پہلی جزء یا ہر پہلا اسم مبتداء ہے اور دوسرا اسم اس کی خبر ہے۔

نوٹ ۲۔ آپ پوچھیں گے کہ اَللّٰہُ کے معنے اللہ۔ اور رَبٌّ کے معنے "پالنے والا" ہیں مگر ان دونو اسموں کو جوڑنے والا (رابطہ) لفظ "ہے" کہاں سے آگیا؟ - اس کا جواب یہ ہے کہ یہ "ہے" اس ترکیب سے پیدا ہوا ہے جو عربی زبان میں "اَللّٰہُ رَبٌّ" کہنے میں اختیار کی گئی ہے۔ غیر عربی زبانوں میں اس رابطہ کے لئے مستقل حرف یا لفظ مقرر ہیں مگر عربی زبان میں ترکیب اور اعراب سے رابطہ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ پس "وہ کتاب ہے" کا ترجمہ ذٰلِکَ کِتَابٌ اور "تو کامیاب ہے" کا ترجمہ اَنْتَ مُفْلِحٌ ہوگا۔ "ہے" کے لئے کسی مستقل حرف یا لفظ کی ضرورت نہیں۔

قاعدہ اولیٰ۔ اوپر کے جملوں سے آپ یہ قاعدہ بنائیں گے کہ جملہ اسمیہ میں عام حالات میں مبتدا اور خبر پر رفع (یعنی پیش) ہوگا۔ گویا مبتدا بھی مرفوع ہوتا ہے اور خبر بھی مرفوع ہوتی ہے +

تیسرا سبق

ذخیرۂ الفاظ

عَبَدَ	نَعْبُدُ	اِسْتَعَانَ	
اُس نے عبادت کی	ہم عبادت کرتے ہیں	اُس نے مدد مانگی	
نَسْتَعِیْنُ	هَدٰی	یَهْدِیْ	
ہم مدد مانگتے ہیں	اُس نے راہ دکھایا	وہ راہ دکھاتا ہے	
اِهْدِ	اَنْعَمَ	اَنْعَمْتَ	
تو راہ دکھا	اُس نے انعام کیا	تو نے انعام کیا	
اٰمَنَ	یُؤْمِنُوْنَ	اَقَامَ	
وہ ایمان لایا	وہ ایمان لاتے ہیں	اُس نے قائم کیا	
یُقِیْمُوْنَ	اَنْفَقَ	یُنْفِقُ	
وہ قائم کرتے ہیں	اُس نے خرچ کیا	وہ خرچ کرتا ہے	
رَزَقَ	رَزَقْتُ	رَزَقْنَا	نَزَلَ
اُس نے دیا	میں نے دیا	ہم نے دیا	وہ اترا
اَنْزَلَ	اُنْزِلَ	اَیْقَنَ	یُوْقِنُ
اُس نے اتارا	وہ اتارا گیا	اُس نے یقین کیا	وہ یقین کرتا ہے
یُوْقِنُوْنَ	کَفَرَ	کَفَرُوْا	
وہ یقین کرتے ہیں	اُس نے انکار کیا	انہوں نے انکار کیا	
اَنْذَرَ	اَنْذَرْتَ	یُنْذِرُ	
اُس نے ڈرایا	تو نے ڈرایا	وہ ڈراتا ہے	
تُنْذِرُ	خَتَمَ	قَالَ	یَقُوْلُ
تو ڈراتا ہے	اُس نے مہر لگائی	اُس نے کہا	وہ کہتا ہے
خَادَعَ	یُخَادِعُ	شَعَرَ	
اُس نے دھوکہ دیا	وہ دھوکہ دیتا ہے	اُسے شعور حاصل ہوا	

(باقی دیکھیں صفحہ ۱۵ پر)

تحقیق اُمّ الاَلسنہ

یعنی

عربی زبان کے تمام زبانوں کی ماں ہونے کا قطعی ثبوت

(از قلم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور)

(۷)

اصُولِ سوئم

فَارْسُولا رفعِ تغییر

(یعنی آفت رسیدہ الفاظ کا حل)

گذشتہ قسط میں اصول رفعِ تصریف اور اصول رفعِ لین پر بحث کی گئی تھی اور ثانی الذکر اصول کے ثبوت میں ایک سَو مثالیں دی گئی تھیں۔ گو یہ مثالیں کثیر تعداد میں دی جا سکتی ہیں لیکن قلتِ گنجائش اور قلتِ وقت کے خیال سے سرِدست اُن مثالوں میں اضافہ کی ضرورت نہیں۔ اور یہ تیسرا اصول جس کا نام اصول رفعِ تغییر ہے بیان کیا جاتا ہے۔

اصول رفعِ لین کے ماتحت ایسے الفاظ دیئے گئے تھے جو صحیح و سالم تھے جن میں کوئی قابلِ ذکر تغیر نہیں ہوا۔ المصلق "ومنها ما بقيت على صورها الاصلية" (منن الرحمٰن صفحہ ۹۱) اس فقرے سے یہ بھی ظاہر ہے کہ کثیر الفاظ ایسے ہیں جو اپنی اصلی صورتوں پر باقی نہیں رہے اور پردیس کی آب و ہوا اور لہجہ کی تبدیلی اور دیگر امر کے تصرفات نے ان کی صورت کو بگاڑ دیا۔ چنانچہ اس امر کی مزید تشریح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظِ ذیل سے ہوتی ہے:۔

"ويبست ماقها وسقطت اثمارها وذهبت نضرتها واخضرارها وترى وجهها كالمجذومين"

یعنی اُن کے تنے خشک ہو گئے اور اُن کے پھل گر گئے اور اُن کی تازگی و سرسبزی جاتی رہی۔ اور تو دیکھتا ہے کہ اُن کا چہرہ جذامیوں کی طرح ہو گیا (منن الرحمٰن صفحہ ۴۹)

"ومنها اغيرها حرّ السقام حتّٰى بلغ الى الاخترام وصارت كالجنائز بعد ما كانت من اهل الجوائز فظهرت بوجه مسنون."

بعد ما كانت كدرٍّ مكنون - و
ذهب حُسنُها و بهائُها - وغابَ
نورُها وضياءُها - و تراءت كشيخ
مسلوب الطاقة بعد ما كانت
كغيدٍ مليح الرشاقة اوكضليع
لذيذ السياقة "۔

یعنی بعض الفاظ ایسے ہیں جن کو بیماری نے متغیر کر دیا۔ یہاں تک کہ بیخکنی تک نوبت پہنچا دی۔ اور جنازوں کی طرح ہو گئے بعد اس کے کہ وہ صاحبِ جود و کرم تھے - اور لبے سے مُنہ نکل آئے بعد اس کے جو موتی کی طرح تھے - اور ان کی خوبصورتی و خوبی سب جاتی رہی اور تمام نور گم ہو گیا اور وہ اُس بُوڑھے کی طرح ہو گئے جس کی سب طاقت جاتی رہی حالانکہ وہ قبل ازیں نازک اندام اور خوش قامت عورتوں کی طرح تھے - یا اُس گھوڑے کی طرح تھے جو سُبک رفتار ہو - (منن الرحمٰن صد ۹۳)

مندرجہ بالا تینوں حوالوں سے ظاہر ہے کہ ایک قسم الفاظ کی ایسی ہے جو (ا) اپنی اصلی حالت پر قائم نہیں رہی - (ب) جن کے اعضاء میں سے کچھ عضو جھڑ گئے - جس کو حضورؑ نے ثمر کے گرنے یا مجذوم کے عضو جھڑنے سے تشبیہ دی ہے - (ج) یا یہ کہ صحت مند ہونے کی بجائے بعض الفاظ امراض و اسقام کا نشانہ بن گئے جس کی وجہ اُن کا حُسن اور رونق اور خوبصورتی جاتی رہی -

اصول دفعِ تغییر کے ماتحت عاجز کے مدِّنظر یہی امر ہے کہ وہ عوارض و اسقام معلوم کئے جائیں جن کی وجہ سے الفاظ کی شکل بگڑی - اور وہ آفت رسیدہ بنے تاکہ لُنجے، لُولے، لنگڑے، گنجے، اندھے اور کانے الفاظ تحقیق کے معمل میں علاج پذیر ہو جائیں اور اُن کے اعضائے بُریدہ واپس لائے جائیں اور وہ صحتیاب ہو کر صحیح اور سالم اور روشن اور تاباں اپنا عربی چہرہ دکھانے لگیں۔ لیکن یہ امر قدرے تمہید طلب ہے - ع

بہر یک گُل منّتِ صد خار می باید کشید

حروفِ تہجّی

۱- جاننا چاہیئے کہ مختلف علوم اور مختلف جہات کے لحاظ سے حروفِ تہجّی کی تقسیم کئی طرح پر کی جاتی ہے - مثلاً فنِ قرأت و تجوید کے لحاظ سے حروفِ تہجّی کی تقریباً اُنیس مشہور قسمیں ہیں (مجہورہ - مہموسہ - شدیدہ - رخوہ وغیرہ جنکی تشریح کے لئے فنِ قرأت و تجوید کی کتابیں دیکھنی چاہئیں -

۲- مختصر طور پر تقسیم حروف بلحاظ مخارج حسب ذیل ہے :-

حروفِ حلقی، حروفِ لہوی، حروفِ شفوی، حروفِ لسانیہ اور حروفِ منفیہ - اس کے علاوہ اور کئی جہات سے بھی حروفِ تہجّی کی تقسیم کی جاتی ہے لیکن تحقیق اُمّ الالسنہ کے لحاظ سے حروفِ تہجّی موٹے طور پر دو گروہوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں -

حروفِ مستقل - یعنی ب - ج - د - ز - ط - ك
ل - م - ن - س - ف - ص - ق - ر - ش - ث
ت - خ - ذ - ض - ظ اور غ -

مقصد یہ ہے کہ یہ حروف بدلتے تو ہیں لیکن گرتے اور جھڑتے نہیں - اور اصول دفعِ لین کے ماتحت جو سالم الفاظ نکلیں گے وہ بالعموم انہی حروف میں سے کسی

تین حروف کے جڑنے سے بنیں گے یہ تمام حروف حروفِ صحیحہ ہیں۔

حروفِ[۲] تکسیر یا حروفِ علّت جدیدہ یعنی

ع[ملہ]۔ا۔ح۔ہ۔و اور ی جن کا مجموعہ (عَاہ حَوَی) اور جن کی عددی قیمت پوری ایک سَو بنتی ہے۔ ان میں ا۔و۔ی تو حروفِ علّت ہیں جن کا ساقط ہونا ایک مسلّمہ امر ہے اور ع کا شمار عجمی لہجوں کے لحاظ سے الف میں ہی ہے۔ بیش برآں ح یا ہ کو عجمی لہجے الف کی طرح ہی ادا کرتے ہیں کیونکہ H کو ذرا سُبک کیا جائے تو وہ الف ہی کی طرح ادا ہوتا ہے۔ لہذا یہ بات ظاہر ہے کہ یہ چھ حروف ایسے ہیں کہ ان پر آفت آئے گی اور یہ گر جائیں گے۔

اوّل۔ جب لہجہ ذرا بھی سُکڑے گا تو اِن چھ حروف کی خیر نہیں ہوگی۔ اور یہ حروفِ علّت کی طرح گر جائیں گے ثانیًا۔ جب کوئی سابقہ یا لاحقہ کسی لفظ کے ساتھ وصل ہوگا تو بھی یہ حروف ساقط ہو جائیں گے۔ ثالثًا۔ جب دو لفظ ترکیب پا کر ایک مرکّب لفظ بنے گا تو بھی یہ چھ حروف قائم نہ رہیں گے۔ گویا یہ چھ حروف ایسے سُبک اور نازک ہیں جیسے چھوئی موئی کا پودا، جو ذرا ہاتھ لگانے سے جھک جاتا ہے۔ اسی طرح یہ چھ حروف لہجے کے تغیّرات کا شکار ہوتے ہیں۔

مثلاً عرب کہتا ہے شعر (بال) لیکن لاطینی والا کہتا ہے cer بمعنی بال۔ ظاہر ہے ع کی شکل e یعنی واول کی ہوگئی۔

عرب کہتا ہے طَرَحَ (پھینکا) انگریز کہتا ہے Throw حائے حطّی کی شکل o کی ہوگئی۔

عرب کہتا ہے عَهد۔ قسم (العهد: اليمين) لیکن پُرانی انگریزی میں یہ لفظ Eed ہے اور موجودہ انگریزی میں اس کے ہجا oath بمعنی قسم ہے۔ ظاہر ہے کہ ع اور ہائے ہوّز نے Ee کی شکل اختیار کر لی۔

اِن مثالوں سے یہ بات بیّن اور ظاہر ہے کہ واول (A . E . I . O . U .) اعراب کا بدل تو تھے ہی لیکن واول بدل ہیں حروفِ تکسیر (ع۔ا۔ح۔ہ۔و۔ی) کا بھی۔ پس جب ہم کسی عجمی لفظ سے حروفِ علّت یا واول گراتے ہیں تو حروفِ تکسیر بھی ساتھ ہی ہاتھ سے جاتے رہتے ہیں اور یہ وہ اعضائے بُریدہ ہیں جن کو واپس لانا ضروری ہے۔ اور واپس لانے کے لئے ایک نہایت قوی قرینہ موجود ہے کہ واول گرانے کے بعد جب دو کانسوننٹ Consonent باقی رہیں تو یہ ثبوت ہے اِس امر کا کہ حروفِ تکسیر میں سے ایک حرف گر گیا ہے اور اسے قائم کرنا ضروری ہے۔ اِس لحاظ سے حروفِ تکسیر اعضاء بُریدہ الفاظ کا صحیح علاج اور ان کے سقم کو صحت میں بدلنے والا فارمولا ہے۔ یعنی یہ چھ حروف الفاظ کے امراض و عوارض کا علاج ہیں۔ اور یہ حروف فنا کلمے یا عین کلمے یا لام کلمے سے گرے ہوں گے۔ اور اپنے اصلی مقام پر ان کو پیوست کیا جائے گا۔ تب الفاظ کا لنجاپن یا لنگڑاپن دُور ہو جائے گا اور عربی زبان کی بے نظیر خصوصیت کہ اس میں مصدر کبھی دو حرفی نہیں ہوتا دوبارہ قائم ہو جائیگی۔ آئندہ مثالوں میں یہ امور انشاء اللہ زیادہ واضح ہو جائیں گے۔

ملہ ع، ہ، اور ح کو بعد میں مذکورہ تشریح کے مطابق حروفِ علّت جدیدہ میں شامل کیا گیا ہے۔ والکل آن بصطلح ——— الفرقان

رومن حروفِ تہجّی

عربی طرزِ کتابت میں اعراب کا محل اصلی حروف سے الگ اوپر یا نیچے ہوتا ہے۔ مثلاً فَعَلَ کا ایک ہی تلفّظ ہے آنکھ جس طرح اس لفظ پر پڑتی ہے زبان اس کے مطابق تلفّظ کو ادا کرتی ہے۔ اسی لفظ کو رومن حروفِ تہجّی میں لکھا جائے تو Faala بنے گا۔ گویا اعراب حرف کے اندر چلے گئے اور اس کا تلفّظ فا۔ علا یا فا۔ لا یا فیلے اور کئی طرح پر ہوسکتا ہے اور زبان تلفّظ ادا کرنے میں آنکھ کا ساتھ نہیں دیتی۔ اس نقص کو دور کرنے کے لئے واولز پر نقطے یا دیگر علامات لگائی جاتی ہیں تاکہ تلفّظ کو ادا کیا جاسکے۔ اور نقطے یا علامات دراصل اعراب کو خارج میں لکھنے کی ناکام کوشش ہے جیسا کہ لُغت نویس واولوں پر کچھ علامات لگاتے ہیں تاکہ تلفّظ صحیح قائم ہوسکے۔

علاوہ ازیں دوہرے واول یعنی diphthong مثلاً ea - au - ue وغیرہ جو تعداد میں سَو کے قریب بن جاتے ہیں یہ بھی رومن حروفِ تہجّی کے نقص پیدا ہیں۔ اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ رومن حروفِ تہجّی جس پر یورپ کی زبانوں کے حروفِ تہجّی مبنی ہیں تلفّظ کے ادا کرنے میں نہایت ناقص ہیں۔ چنانچہ حوالۂ ذیل اسی پر شاہد ہے:۔

"Phoenetic represen-tation of Vowels is for more difficult because of their number and because of the extreme poverty of the Roman alphabet in this direction. The English orthographical representation of these is perfect chaos and is very remote from the original Roman system to which most continental languages still approximate"
(Nelson's Encyclopaedia Vol 9 P 409)

گویا انگریزی وغیرہ کے حروفِ تہجّی اور طرزِ کتابت کی بنیاد رومن حروفِ تہجّی پر ہے جو بنائے فاسد علی الفاسد کا حکم رکھتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عربی الفاظ کے تلفّظ کو دوسری زبانوں کی تہجّی اور طرزِ کتابت پورے طور پر ادا کرنے سے قاصر ہے۔ مثلاً قَفَّ - قاف - وقف - قفا اور کَفَّ کفاء - کاف - کفٰی اور کفو اور خَفَّ - خفٰی - خاف اور غفٰی وغیرہ کو دوسری زبانوں کی حروفِ تہجّی یا طرزِ کتابت ادا کرنے سے بالعموم قاصر ہوگی اور یہ امور بھی اپنے اصل یعنی عربی زبان سے عجمی زبانوں کی مغائرت کے اسباب میں سے ہیں۔

اِن مشکلات کا حل اصولِ رفعِ تکسیر سے ہوتا ہے۔

رفعِ تکسیر کی تشریح

رفعِ تکسیر سے مراد یہ ہے کہ گرے ہوئے حروف جو تعداد

میں صرف چھ ہیں یعنی غ ا ہ ح و ی) کے ذریعہ سے عجمی الفاظ کا سقم یا مرض دُور کرنا۔ اور اس کی تین قسمیں ہیں:۔

(الف) تکبیرِ صغیرہ۔ یعنی جب کسی عجمی لفظ سے وادل یا حروفِ علت گرانے کے بعد دو کانسونینٹ باقی رہیں تو ان چھ حروف میں سے ایک یا دو زائد کر کے عربی لفظ کو اصل حالت پر قائم کرنا یعنی ساقط شدہ ایک یا دو حروف کو واپس لانا۔ مثلاً

Leech = میں کانسونینٹ کا ابدال = ل ق = عَلَق (جونک) مع وجہ تسمیہ کیونکہ عَلِق کے معنے چمٹنا ہے جو جونک کا وصف ہے۔ جس وجہ تسمیہ سے انگریزی لفظ عاری ہے۔ Leech میں ف کلمے سے عین گرا ہوا ہے۔

(ب) تکبیر کبیرہ۔ جب وادل گرانے کے بعد صرف ایک کانسونینٹ باقی رہے تو حروفِ تکبیر (یعنی ع ا ہ ح و ی) میں سے کم از کم دو حروف گرے ہوتے ہوں گے جن کو از سرِ نو اس کانسونینٹ کے ساتھ پیوست کیا جائے گا۔ مثلاً اوپر Oath کا روٹ Ead ہے اور وادل گرانے کے بعد صرف d باقی رہی اور ع اور ہ زائدہ سے لفظ حاصل ہو جائیگا

(ج) تکبیر ہالک۔ جب وادل یا حروف تہجی گرانے کے بعد کوئی کانسونینٹ بھی باقی نہ رہے تو یہ قرینہ ہو کہ اصل لفظ حروفِ تکبیر میں سے تین حروف کا بنا ہوا ہے اور ہمیں عجمی لفظ کی آواز کو مدنظر رکھتے ہوئے تین حروفِ تکبیر کے ذریعہ اس لفظ کو قائم کرنا پڑیگا۔ مثلاً Yea بمعنی ہاں برابر ہے اِی کے جس کے معنے "ہاں" ہیں۔ مفصل تشریح آئندہ آئے گی اور یہ امور مثالوں سے واضح ہو جائینگے۔

جہاں تک حروفِ تکبیر کا ف کلمے سے حذف ہونے کا سوال ہے یہ ایک مسلمہ اصول ہے جسے Aphaeresis کہتے ہیں۔ اور یہ اصول انگریزی وغیرہ میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ حروفِ تکبیر کے لحاظ سے مثلاً الف فاء کلمے سے بھی گر سکتا ہے۔ اور عین کلمے سے بھی اور لام کلمے سے بھی۔ لہذا یہ تین قسمیں ہوئیں۔ اسی طرح باقی حروفِ تکبیر میں سے ہر ایک کی تین قسمیں ہوں گی اور کل ۱۸ قسمیں اعضاء بُریدہ الفاظ کی بلحاظ تکبیر صغیر بن جائیں گی ہر ایک کی سَو سَو مثالیں بھی دی جائیں تو ۱۸۰۰ مثالیں بنجائینگی اور اتنی مثالیں دکھانا کچھ مشکل نہیں مگر اس جگہ اسکی پابندی جگہ کی قلت کی وجہ سے مشکل ہے۔

مضمون طویل ہو گیا مگر اس کے سوا چارہ نہ تھا بعض اُور امور وضاحت طلب ہیں جو انشاء اللہ آئندہ بیان ہونگے۔ عاجز کی تحقیق میں یہ دو اصول یعنی اصولِ رفع لین اور اصول رفعِ تکبیر ام الاصول ہیں۔ باقی جو اصول آئندہ بیان ہوں گے وہ سب انہی دو اصولوں کی فرع ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ لہجے کی ساخت کے لحاظ سے یہ دونوں اصول بالکل قدرتی ہیں اور ان میں کوئی تصنع نہیں۔ اور کہنے کو یہ دونوں اصول دو لفظ اور ایک بات ہیں لیکن انکے سینکڑوں مظاہر ہیں۔ الفاظ ذیل میں تکبیر صغیر کا اصول دکھایا گیا ہے اور وہ بھی Aphaeresis کے لحاظ سے یعنی فاء کلمے سے حروفِ تکبیر (ع۔ ا۔ و۔ ہ۔ ح۔ ع) کا گرے ہوئے ہونا دکھایا گیا ہے۔ ان مثالوں کو دیکھنے کے بعد مندرجہ بالا نظری مضمون بہتر طور پر سمجھ میں آسکے گا:۔

. . . .

سلکِ دوم ۔ مکسّرات!

نوٹ :۔ مندرجہ ذیل تمام الفاظ میں حرفِ ع فاء کلمے سے گرا ہوا ہے جسے بحال کیا گیا ہے۔

(۱) Luggage میں age لاحقہ ہے۔ روٹ ہے lugg = ل ق = عُلقہ (سامان) جو فارسی میں، مقلوب ہو کر (کالا) بمعنی سامان ہے۔

(۲) Local لاحقہ al ہے۔ روٹ ہوا Loc = ل ق = علاقہ (جگہ)۔

(۳) Ligature لاحقہ ture ہے۔ روٹ ہوا liga بمعنی باندھنا = ل ق = اَعلق (باندھنا)

(۴) Lactate روٹ lac جسکے معنے دودھ ہیں = ل ق = علاق (دودھ)

(۵) Lace[1] (چمڑے کا تسمہ) قاف نے س کی آواز دی ہے اسلئے Lace = Lc = ل ق = عِلاقہ (لٹکانے کا تسمہ)

(۶) Lukos بمعنی بھیڑیا os لاحقہ ہے۔ LK = ل ق = عَولق (بھیڑیا)

(۷) Lace[2] بمعنی باندھنا = ل ق = اعلق ب۔ باندھنا

ظاہر ہے کہ یہ ساتوں الفاظ مصدر عَلِق بمعنی چمٹنا، متعلق ہونا پر مبنی ہیں لیکن انگریزی یا فارسی زبان میں اس مصدر کے متعلقات مذکورہ بالا الفاظ ہیں، اصل مصدر عَلِق انگریزی یا فارسی میں ناپید ہے اور اسی وجہ سے مندرجہ بالا الفاظ کی وجہ تسمیہ دینے سے انگریزی زبان قاصر ہے یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عجمی زبانوں میں متعلقاتِ مصدر تو اکثر پائے جائیں گے مگر مصدر اپنی کیفیت کے لحاظ سے بہت کم ملیگا۔ گویا برات تو ہو گی لیکن دولہا نہیں ہوگا اور یہ وہی امر ہے جسکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:۔

"والاٰخرون حرّفوا کلمھا وبعدوا جواھرھا عن معادنھا واماکنھا فصارت السنۃ جدیدۃ فی اعین الغافلین"

ترجمہ۔ اور دوسرے لوگوں نے کلماتِ عربی کو اسکے مواضع سے بدل ڈالا اور اسکے جواہر کو انکی معدنوں اور مکانوں سے دور ڈال دیا لہذا وہ زبانیں بےخبر لوگوں کی نظر میں نئی دکھائی دیں۔ (منن الرحمٰن صفحہ ۹)

"وبعید انھا اخرجت من المنازل المقررۃ وبعدت من الاوطان الموروثیۃ"

ہاں اتنا ہے کہ وہ (الفاظ) اپنے منازلِ مقررہ سے نکالے گئے اور اپنے موروثی وطنوں سے دور کئے گئے۔ (منن الرحمٰن صفحہ ۹)

"وبعضھا فقدت اسام بروجہ التسمیۃ"

اور بعض وجہ تسمیہ کے نشانات کو کھو بیٹھے۔

(۸) لگنا = لگ = علق (چمٹنا، تعلق پذیر ہونا) کیونکہ لگنا اُردو زبان میں انہی معنوں میں آتا ہے۔ ہندی میں مصدر تو برآمد ہو گیا جو انگریزی اور فارسی میں نہیں ہے لیکن اسکی کیفیت اور وسعت وہ نہیں جو علق میں ہے۔

(۹) Dare = در = عدر (دلیری کرنا)

(۱۰) Rein = عران (نکیل)

(۱۱) Silly = ثل = عثول (بے وقوف)

(۱۲) Taboo = ت ب = عتب (سرزنش کرنا)

(۱۳) Poor = ف ر = عُفر (مفلس ہونا)

(۱۴) Boar = ف ر = عِفر (سؤر)

(۱۵) Bully = ب ل = عبیل (موٹا یا بلاع - پیٹو)

(۱۶) Gear = ق ر = عقار (گھر کا سامان)

(۱۷) Wake = ف ق = عفق (جاگنا یا افاق - جاگنا)
awake میں ع قائم ہے۔

(۱۸) Fake = ف ق = عافق (دھوکا دینا)
افك بمعنی جھوٹ بھی یہ مفہوم رکھتا ہے۔

(۱۹) Ill اور Ail = ع ل = عُلّ (بیمار ہونا)

(۲۰) Fuss = ف س = عفاس (فساد)
اس کا روٹ انگریزی والوں کو نہیں ملا۔

(۲۱) Far = ف ر = عُفر (بُعد)

(۲۲) Barograph = ب ر = عبر (وزن کرنا)
یا بَھر (زیادہ بوجھ ڈالنا)

(۲۳) بار - فارسی میں بوجھ کو کہتے ہیں = ب ر = عَبَر

(۲۴) Galloon بمعنی باندھنے کی چیز یا رسی oon لاحقہ ہے۔ GL = ق ل = عِقال یا عُقلہ (رسی یا بندھن)
اس کا روٹ انگریزی والوں کو نہیں ملا۔

(۲۵) Gurry بمعنی قلعہ جس کا روٹ ہندی لفظ گڑھ ہے
GR = ق ر = عقر (محل، قوم کے اُترنے کی جگہ)

(۲۶) گھر = ق ر = عقر (محل)

(۲۷) Phyllo یونانی لفظ ہے بمعنی پتّہ = ف ل = ب ل = عَبَل (گرے ہوئے پتّے)

(۲۸) Lapis بمعنی پتھر = ل ب = علب (سخت چیز)

(۲۹) Race = ر ق = عُرق (دَوڑ)

(۳۰) Rack بمعنی عرق کھینچنا = عرقا = رس

(۳۱) رگ = رق = عِرق (رگ)

(۳۲) Ram بمعنی مضبوط بنانا = ر م = عرام (مضبوط ہونا) اور عَرَمُ (پُشتہ)

(۳۳) Ransack روٹ Rann بمعنی گھر = رن = عرین (گھر کا صحن)

(۳۴) Reeve بمعنی سردار = رف = عریف (سردار، عالم)

(۳۵) Rim بمعنی بند = ر م = عرمہ (پُشتہ، بند)

(۳۶) Rife بمعنی معروف = رف = عُرف یا عُرفی

(۳۷) Ruction بمعنی شور = رک = عَرَك (شور و غوغا) اس کا روٹ انگریزی والوں کو نہیں ملا۔

(۳۸) Rude بمعنی کھُردرا = رد = عُرد (سخت موٹا)

(۳۹) Rum بمعنی پُرخطر، پُرجوش = رم = عارم (شریر، بدخُلق) اس کا روٹ بھی انگریزی والوں کو نہیں ملا۔

(۴۰) Ruse بمعنی چالاک = رص = عَرَص (چُست و چالاک ہونا)

(۴۱) Sap بمعنی چکھنا = ذ ف = عذف (چکھنا)

(۴۲) Savour " " "

(۴۳) Shy بمعنی شرمیلا ہونا = عَشا (اعراض کرنا، ہٹ جانا)

(۴۴) Suave بمعنی میٹھا = SV = ذ ب = عَذْب (میٹھا - ب خفیفہ ہو کر وارد ہو گئی)

(۴۵) Tan (دباغت کرنا) = طن = عَطَن (نمک وغیرہ میں چمڑہ مڑنا) چنانچہ عطان چمڑے کا مصالحہ جس سے چمڑے کو صاف کیا جاتا ہے۔

(۴۶) Takhios بمعنی رفتار = ت ق = اعتق (تیز چلانا) یا تاق (جلدی کرنا) اور تسبّق (تیز رفتار گھوڑا)

(۴۷) تگیدن = ت ق = " " "

(۴۸) تاختن = ت ک = عَتَک (حملہ کرنا)

(۴۹) Attack = ت ک = عتک (حملہ کرنا)

(۵۰) تافتن = موڑنا = ط ف = عطف (موڑنا)

(۵۱) بَلْنا = ب ل = عَبَل (بٹنا)

(۵۲) Thill بمعنی دُہرا = ت ل = عتلہ (لوہے کا ڈنڈا)

(۵۳) نیزہ = ن ز ہ = عنزہ (برچھی)

(۵۴) دویدن = د و = عدوا (دوڑ)

(۵۵) Curve = ق ر ب = عَقْرَب (مروڑنا)

(۵۶) Sparrow = SPR = صفر = عُصفور (چڑیا)

(۵۷) بیڑہ = ب ڑ ہ = عبّارہ (گذرنے کا ذریعہ) (کشتی وغیرہ) عبر = دریا کو عبور کرنا جو کہ عبّارہ کی وجہ تسمیہ ہے۔ ع گر کر ہندی میں بیڑہ ہوا لیکن ہندی میں عبر مصدر ندارد ہے۔ اس لفظ بیڑہ کے متعلق سید سلیمان صاحب ندوی نے لکھا ہے کہ یہ ہندی لفظ ہے جو عربی میں داخل ہو کر بارجہ بمعنی کشتی یا جہاز ہوا اور بیڑہ کی ہائے ہوز عربی میں جا کر جیم میں تبدیل ہو گئی۔ یہ درست معلوم ہوتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ خود بیڑہ لفظ عبر سے ماخوذ ہے اور خود عربی یا ہندی میں گیا ہے اور وہاں جا کر وجہ تسمیہ سے معرّا ہو گیا ہے۔ گویا "فقدت اسادیر وجہ التسمیۃ" (من الرحمٰن صفحہ ۹) یعنی وجہ تسمیہ کھو بیٹھا۔

مندرجہ بالا تمام الفاظ میں جو مختلف زبانوں کے ہیں Aphesis کا عمل دکھایا گیا ہے اور وہ بھی صرف حرفِ ع کے متعلق جو فارغ کلمے سے گر رہے ہیں۔ آئندہ قسط میں انشاء اللہ باقی حروفِ تکبیر کا گرنا باقیماندہ سترہ اقسام کے لحاظ سے دکھلایا جائے گا۔ ان مثالوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اصولِ رفعِ تکبیر کے متعلق مندرجہ صدر بیانات زیر غور لائے جائیں۔

نوٹ:- مندرجہ بالا الفاظ میں یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ پہلے سات الفاظ علق مصدر کے متعلقات ہیں (عَلَق- جونک چمٹتی اور تعلق پذیر ہوتی ہے۔ (عُلْقَہ- سامان) صاحبِ سامان سے متعلق ہے۔ (علاقہ- جگہ) مکین سے متعلق ہے۔ (علاق دودھ) رشتے اور تعلق کی بناء پر۔ (علاقہ- تسمہ) لٹکنے سے تعلق پذیر ہوتا ہے۔ (اعلق- باندھنا) کسی دوسری چیز سے متعلق ہوتا ہے۔

اب بظاہر یہ انمل اور بے جوڑ الفاظ ہیں لیکن مصدر علق پر مبنی ہو کر اپنی قدرتی وجہ تسمیہ کے ساتھ ان سب میں قدرِ مشترک ہے۔ یہ علمی بحث ہے اور یہاں جہالت کی پیش نہیں جا سکتی۔ ہے کوئی زبان، سنسکرت ہو یا لاطینی جو ان الفاظ کو نہ صرف حل کر دے بلکہ وجہ تسمیہ کے لحاظ سے ایک ہی لڑی میں پرو دے؟ دیدہ باید۔

قرآن مجید کی وحی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مشاہدات کا ایک نمونہ

(از قلم جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ ربوہ)

(۱)

قرآن مجید میں آنحضرت صلعم کی روحانی رویت اور مشاہدہ کا کئی جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ تکویر میں چند ایک مہتم بالشان آنے والے انقلابات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۚ یقیناً آپ ان باتوں کو دیکھ چکے ہیں ایسے اُفق (یعنی بلند مقام) سے جو کھلے طور پر دکھانے والا ہے۔ اسی طرح سورۃ النجم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ ..... لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ (الآیت .....) پس اُس نے اپنے بندے کو وحی کی جو کی۔ دل نے جو دیکھا اس میں غلطی نہیں کھائی۔ کیا تم اس سے ان باتوں کے متعلق شک و شبہ کرتے اور اُلجھتے ہو جنہیں وہ دیکھ رہا ہے ..... اپنے رب کے بہت بڑے بڑے نشانات وہ یقیناً دیکھ چکا ہے۔ ان آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ تجلیاتِ وحی کے جو کلام کی صورت میں آنحضرت صلعم پر ہوئیں آپ کو روحانی آنکھوں سے بھی ان کے بارے میں مشاہدہ کرایا گیا تھا۔ آپ کے اس قسم کے مشاہدات کا نمونہ سورۃ کہف اور سورۃ مریم کی آیات بینات کے تعلق میں پیش کیا جاتا ہے۔ ذیل میں پہلے ان دونوں سورتوں کے مضمون کا خلاصہ پھر اس کے بعد آنحضرت صلعم کے روحانی مشاہدات کو بیان کیا جائے گا۔ اور اس سلسلۂ اخبارِ غیبیہ سے تعلق رکھنے والی دیگر سورتوں اور صحفِ سابقہ کی پیشگوئیوں کا ذکر بھی بطور مزید وضاحت کے کیا جائے گا۔

سورۃ کہف کا موضوع

سورۃ کہف کے شروع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ..... الآیۃ

ترجمہ:- یعنی سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے کہ کتاب اپنے بندہ پر نازل کی اور اس میں کسی قسم کا ٹیڑھا پن نہیں رکھا۔ سیدھی اور صحیح طور پر رہنمائی کرنے والی ہے تاکہ اپنے حضور سے نہایت ہی سخت خطرہ کے متعلق آگاہ کر دے اور ان مومنوں کو بشارت دے جو اعمالِ صالحہ بجا لاتے ہیں کہ ان کے لئے ایک ایسا اجر ہے

جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان لوگوں کو بد انجام سے ڈرائے جنہوں نے کہا کہ خدا نے ایک بیٹا اختیار کیا ہے۔"

گویا اس کتاب کے نازل کرنے کی غرض یہ ہے کہ مومنوں کو نہایت شدید خطرہ سے آگاہ اور یہ بشارت دی جاوے کہ ان کی محنت کا بدلہ ضائع ہونے والا نہیں بلکہ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اور عیسائیوں کو ان کے باطل عقیدہ کے بُرے انجام سے خوف دلایا جائے کہ ان کا ساختہ پرداختہ بوجہ عمل صالح نہ ہونے کے تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ یہ خلاصہ ہے سورۂ کہف کی پہلی چھ آیات کا۔

سورۂ مریم کا موضوع

سورۂ مریم میں بھی اسی بأس[1] شدید، بشارت[2] اور فتنہ[3] عیسائیت کی شدت اور اس کی کامل تباہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۂ کہف میں فرمایا تھا۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ۔ یعنی بہت ہی خطرناک بات ہے جو انکے موہنوں سے نکلتی ہے یعنی یہ کہ خدا کا بیٹا ہے۔ اور سورۂ مریم میں فرمایا۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ (ع) یعنی قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر پڑیں اسلئے کہ انہوں نے رحمٰن کے لئے بیٹا تجویز کیا ہے۔" یہ الفاظ سورۂ کہف کی مذکورۂ بالا آیت کی تفسیر ہیں یعنی ان کا ولد اللہ پکارنا اتنی خطرناک بات ہے کہ اس سے زمین و آسمان میں عنقریب ایک تہلکہ برپا ہو جائے گا۔ اسی طرح سورۂ کہف کی ابتدائی آیات میں جس تبشیر و انذار کو تمثیلاً بیان کیا گیا ہے سورۂ مریم کو اسی پر ختم کیا گیا ہے۔ فرماتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝ (آیت ۹۷-۹۹)

یقیناً وہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے عمل کئے عنقریب رحمٰن ان کے لئے محبت کا سامان مہیا کریگا ہم نے اس (پیشگوئی) کو تیری زبان سے آسان کر دیا ہے تاکہ تو متقیوں کو بشارت دے اور ایسی قوم کو اسکے بد انجام سے آگاہ کرے جو ضدی (اور کفر پر مصر) ہے۔ ہم نے کئی قومیں ان سے پہلے ہلاک کیں، کیا تو ان میں سے کسی کو دیکھتا یا ان کی آہٹ پاتا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کو پیش آنے والی بأس شدید کی خبر جو سورۂ کہف میں دی گئی ہے اس کی نوعیت کو سورۂ مریم کے پہلے چار رکوع میں واضح کیا گیا ہے۔ نیز یہ بتایا گیا ہے کہ موعودہ

موعودہ بشارت کی نوعیت

بشارت رحمتِ خاصہ کی صورت میں ظاہر ہوگی جس کا نام نبوت ہے۔ چنانچہ اس سورت کو ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا سے شروع کر کے اللہ تعالےٰ نے تفصیل سے یہ بیان فرمایا ہے کہ جس قسم کی رحمت کا سلوک حضرت زکریاؑ، حضرت مریمؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا تیرا رب ویسا ہی سلوکِ رحمت تجھ سے بھی کریگا۔

سورۂ مریم کے پہلے چار رکوع میں ربانی سلوکِ رحمتِ خاصہ

کی وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت زکریاؑ کو اپنے بعد ناخلف وارثوں کے ہاتھوں ورثۂ نبوت برباد ہونے کا جب خوف دامنگیر ہوا اور انہوں نے بڑے کرب و کراہ سے دعا کی جو قبول ہوئی اور انہیں ایک بیٹا یحیٰی دیا گیا جو نبی تھے۔ جب بنی اسرائیل غیر قوموں کے ہاتھوں پامال کئے گئے اور ان کا شیرازہ پراگندہ ہو گیا تو حضرت مریم کا انتخاب ہوا اور انہیں حضرت عیسیٰؑ عطا ہوئے تا وہ بنی اسرائیل کی بگڑی بنائیں۔ اسی طرح جب توحید دنیا سے ناپید ہو گئی اور حضرت ابراہیمؑ کو فکر دامنگیر ہوئی تو انہیں حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ اولاد عطا کی گئی۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے کچھ عرصہ کے لئے جدا ہوئے تو ان کی غیر حاضری میں ان کے بھائی ہارونؑ کو ان کا جانشین بنایا گیا۔ ان اولوالعزم انبیاء کو جو جانشین دیئے گئے ان میں سے ہر جانشین خلعت نبوت سے کم و بیش سرفراز کیا گیا اور یہ رحمت مخصوصہ اللہ تعالیٰ کی صفت الوہّاب[1] سے ظہور میں آئی۔

سورۂ مریم کے پہلے چار رکوع پڑھیں۔ آپ ان میں دو باتیں بار بار دہرائی ہوئی پائیں گے صفت وہابیت و رحمت اور ایسے جانشینوں کا ذکر جنہیں منصب نبوت عطا کیا گیا۔ ملاحظہ ہوں آیات۔ فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا۔ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا۔ وَرَحْمَةً مِّنَّا۔ جَعَلَنِي نَبِيًّا۔ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا وَوَهَبْنَا لَهُم مِّن رَّحْمَتِنَا۔ وَوَهَبْنَا لَهُ أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا۔ صفت وہابیت و رحمت اور منصب نبوت والی خلافت کا یہ تکرار صاف طور پر بتلاتا ہے کہ سورۂ مریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ مسلمانوں کے بگڑنے اور بیرونی حملوں سے جب شدید خطرہ پیدا ہوگا تو اس یاس انگیز خطرے والی گھڑی میں آپ کے مقدس ورثہ کو سنبھالنے کے لئے اسی قسم کی رحمت کا ظہور صفت وہابیت کے ماتحت ہوگا۔

سورہ مریم اور سورہ کہف کا باہمی تعلق بلحاظ دو عظیم الشان پیشگوئیوں کے

یہ امر کہ آیا فی الواقع سورۂ مریم کی آیات بیّنات میں آنحضرت صلعم کو اسی قسم کی بشارت کی خبر دی گئی ہے۔ اس سورۃ کے پانچویں رکوع کی آخری آیات سے بالکل ظاہر و واضح ہو جاتا ہے جہاں مذکورہ بالا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ رحمت خاصہ کے سلوک کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۝ فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ ۖ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ

[1] صفت وہابیت کا ذکر قرآن مجید میں تیئس ۲۳ جگہ وارد ہوا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ ان میں سے اٹھارہ ۱۸ جگہ میں صالح بیوی اور صالح اولاد اور تین ۳ جگہ منصب نبوت کے عطا کئے جانے کا ذکر ہے۔ اس توارد سے ظاہر ہے کہ صفت وہابیت کا تعلق نیک ذریت اور نبوت کی نعمت سے مخصوص ہے +

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۝ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝ یعنی یہ وہ ہیں جن پر انبیاء میں سے انعام کیا۔ آدمؑ کی ذریت سے بھی اور ان سے بھی جنہیں نوحؑ کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا اور ابراہیمؑ اور اسرائیلؑ کی ذریت سے بھی اور ان سے جنہیں ہم نے ہدایت کی اور جن کو ہم نے چُن لیا ہے۔ اور جب رحمٰن کی آیتیں اُن پر پڑھی جاتی ہیں تو وہ سجدہ بجا لاتے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ایسے نالائق جانشین ہوتے جنہوں نے نماز ضائع کردی اور شہوتوں کے پیچھے لگ گئے۔ عنقریب وہ کج روی کا بدلہ پائیں گے۔ مگر جنہوں نے توبہ کی اور عمل صالح بجا لائے وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ ہمیشگی کے وہ باغات جن کا وعدہ رحمٰن اپنے بندوں سے غائبانہ کرچکا۔ اس کا یہ وعدہ یقیناً پورا ہو کر رہیگا۔

رحمتِ الٰہیہ کے چار قسم کے انعامات

مذکورہ بالا آیات سے مندرجہ ذیل تین باتیں واضح ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ رحمتِ الٰہیہ کی چار قسموں (صالحیت، صدیقیت، شہیدیت اور نبوت) میں سے آیات مذکورہ بالا میں صرف انعامِ نبوت کا ذکر کیا گیا ہے۔

سورۂ نساء کی آیت ۶۸ (ع ۹) میں منعم علیہ گروہ کے چار درجے بیان کئے گئے ہیں۔ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ یعنی جس نے اللہ اور محمد رسول اللہ صلعم کی اطاعت کی تو وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے یعنی نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں[1] اور صالحین کے ساتھ۔ کیا ہی عمدہ اُن کی رفاقت ہوگی۔ سورہ مریم میں جب انعام یافتہ گروہ کا ذکر فرمایا تو ان چار درجوں میں سے صرف ایک بڑا درجہ یعنی نبیوں والے درجہ کا ذکر کیا اور باقی تین درجوں کو نظر انداز کر دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ سورۂ مریم کی آیات میں نبوت والی رحمت خاص ہی مقصود بالذات ہے نہ کوئی اور رحمت۔

اولوالعزم انبیاء کے چار دَور اور ان میں رحمتِ مخصوصہ کا ظہور

دوئم یہ کہ سورۂ مریم کی مذکورۂ بالا آیت میں چار دَوروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت آدمؑ کا دَور، حضرت نوحؑ کا دَور، حضرت ابراہیمؑ اور اسرائیلؑ کا دَور، اور چوتھا دَور وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا والے گروہ کا۔ اور ہر دَور میں ہر گروہ کی ذریت میں سلسلۂ نبوت قائم کرنے کا ذکر ہے۔

تیسرا دَور جو حضرت ابراہیمؑ اور اسرائیلؑ سے چلا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو صاحبِ شریعت نبی تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو اُن کے تابع اور غیر تشریعی نبی تھے ختم ہوگیا۔ اس کے بعد چوتھا دَور آنحضرت صلعم اور آپؐ کی اُمت کا شروع ہوتا ہے۔ یہی وہ چوتھا دَور ہے جو جملہ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا سے مراد ہے۔ اس دَور کے متعلق بھی ان الفاظ میں اسی طرح نبی جانشین بنائے جانے کا وعدہ مضمر ہے۔ اس آیت میں آنحضرت صلعم کو تسلی دی گئی

[1] یہاں شہید سے مراد وہ شخص ہے جس کا ایمان مشاہدہ والا ہو۔ یہاں مقتول فی سبیل اللہ مراد نہیں۔

ہے کہ جس طرح انبیاء مذکورہ بالا کے لئے ایسے ہی خلفاء مبعوث کئے گئے تھے جنہوں نے شدید خطرہ کی حالت میں انکے روحانی ورثہ نبوت کو محفوظ کیا اور ان کی امتوں کو سنبھالا اسی طرح آپ کا ورثہ نبوت بھی خطرناک حالات پیدا ہو جانے پر اسی قسم کے نبی جانشین بھیجکر محفوظ کیا جائے گا۔

سورۂ مریم کی محولہ بالا آیت پر آپ ایک دفعہ پھر نظر ڈالیں۔ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ کے بعد وقفہ ہے۔ آدم کے بعد وقفہ ہے۔ ذریت ابراہیم و اسرائیل پر پھر وقفہ ہے۔ یہ وقفے بلاوجہ نہیں۔ ہر وقفہ دورِ نبوت پر دلالت کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کا دور جب ختم ہوا تو لامحالہ چوتھا دور جو شروع ہونے والا تھا آیت کے چوتھے ٹکڑے یعنی وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا میں امتِ محمدیہ کا دور ہی مراد ہو سکتا ہے۔ اسلئے ظاہر ہے کہ اس چوتھے دور میں بھی جو دورِ محمدی ہے آنحضرت صلعم کی امت میں نبوت سے سرفراز ہونے والے جانشینوں کی بعثت کی بشارت مذکور ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب آپؐ نے امتِ محمدیہ کے لئے ابن مریم کے نازل ہونے کی بشارت دی تو آپؐ نے فرمایا۔ وامامکم منکم۔ یعنی تمہارے امام اور تم میں سے ہوں گے نہ غیر امت سے۔

اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ صاف الفاظ میں سورۂ مریم کی آیات میں امتِ محمدیہ کے متعلق ایک عظیم الشان پیشگوئی کی گئی ہے۔ یعنی یہ کہ جب یہ امت شدید خطرہ سے دوچار ہوگی اور اس کے لئے اس کا مستقبل تاریک ہو جائیگا تو خدائے وہاب غیب سے اس کی نجات کا سامان علیٰ منہاج نبوت کرتا رہے گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی محنت کو ضائع نہیں ہونے دیگا بلکہ ان کی محنت کا بدلہ دائمی ہوگا۔

امتِ محمدیہ ہی آخر الامم ہے جو انعامِ نبوت کیلئے چُنی گئی ہے

سورۂ انعام کی آیت ۹۰ غ میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کی ناقدری اور ناشکرگزاری پر نبوت کی نعمت آئندہ مسلمانوں کو سپرد کی گئی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ○ یعنی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی۔ اگر یہ اسکی ناقدری کریں تو ہم یقیناً ایک ایسی قوم کو اس کا متولی بنا چکے ہیں جو اس کی ناقدری کرنے والے نہیں۔

اور سورہ حج کی آخری آیات میں فرماتا ہے۔ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ ...... الآیۃ۔ یعنی اللہ کی خاطر جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تم کو (اس غرض کے لئے) چُن لیا ہے۔

دونوں آیتیں نص صریح ہیں کہ آئندہ کے لئے جس قوم کو نبوت اور عظیم الشان جہاد کے لئے چُنا گیا ہے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہی امت ہے۔ خیر الامم کا لقب اسکو اسی امتیاز کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ پس سورۂ مریم کی آیت وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی امت مراد نہیں ہو سکتی۔ اسی امتِ خیر البشر ہی سے آئندہ کے لئے امتی اور تابع نبی چُنے جانے کا وعدہ سورۂ مریم کی آیاتِ مذکورہ میں آنحضرت صلعم سے کیا اور فرمایا گیا ہے

إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا۔ یہ وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ پس یہ وہ بشارتِ عظمیٰ ہے جس کا ذکر بأسِ شدید سے آگاہ کرنے کے بعد سورۃ کہف کی دوسری آیت میں اور پھر سورہ مریم کے آخر میں متقیوں سے کیا گیا ہے اور اس عظیم الشان بشارت کے پیشِ نظر سورۃ مریم کی محوّلہ بالا آیات میں فرمایا گیا ہے کہ عباد الرحمٰن یہ بشارت دینے والی آیات سُن کر سجدہ بجا لاتے ہیں۔ یہ قرینہ اور سیاقِ کلام مزید دلیل ہے جو اس بات کا قطعی فیصلہ کرتی ہے کہ سورۃ مریم کی آیات میں اُمتِ محمدیہ کے لئے ہی بشارت دینا مقصود بالذات ہے۔ یہ بات بڑی ہی معلوم ہوتی ہے کہ نبی جانشین تو مبعوث ہوں غیروں میں اور سجدۂ شکر ہم بجا لاتے پھریں۔!!

مسلمانوں کے فساد کے بعد توبہ کا موقع دیئے جانیکا وعدہ

تیسری بات جس کا سورۂ مریم کی محوّلہ بالا آیات میں ذکر کیا گیا ہے وہ مسلمانوں کا نالائق ہو جانا، اُن کا نمازیں ضائع کرنا اور شہواتِ نفس کا پَیرو ہو جانے کی خبر ہے۔ اور یہ کہ اس حالت میں بھی انہیں توبہ و اصلاح کا پھر دوبارہ موقع دیا جائے گا اور ان کو جنّاتِ عدن کا وارث کیا جائے گا۔ دیکھئے! کس وضاحت سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِیًّا۔ یہ دائمی جنتوں کا وعدہ جو ضرور پورا ہونا ہے اور جس کے متعلق اس آیت میں فرماتا ہے کہ یہ وعدہ قبل از وقت غائبانہ مسلمانوں سے کیا جا چکا ہے، در اصل یہ وہی وعدہ ہے جس کا ذکر سورۃ کہف کی آیت وَ یُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا مَّاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا میں کیا گیا ہے۔ عدن کے معنی بھی دائمی اور مَاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا کا بھی مفہوم دوام پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی یہ کہ مومنوں کی محنت کا بدلہ ایسا ہوگا کہ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ انکی محنت کو دوام حاصل ہوگا۔ بأسِ شدید کی وجہ سے جو وقفہ پیدا ہوگا وہ عارضی ہوگا۔ خدا تعالیٰ اس خطرہ کو دور کریگا اور اُن کی حفاظت کا انتظام کیا جائے گا اور اُمتِ محمدیہ برباد ہونے سے بچائی جائے گی۔

جنّاتِ عدن سے مراد

جنّت عدن سے مراد یقیناً مسلمانوں کی وہ دینی اور دُنیوی بادشاہت ہی ہے جو عیسائی قوموں کے منصوبوں اور جنگوں کی وجہ سے ایک عرصہ تک مسلمانوں سے چھن جانے والی تھی۔ لفظ بأس کے معنی خطرہ کے بھی ہوتے ہیں اور جنگ کے بھی۔ اس چھنی ہوئی بادشاہت کے بحال کئے جانے کی بشارت کھلے الفاظ میں سورہ کہف میں بھی دی گئی ہے۔ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ یَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـئِیْنَ فِیْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَ حَسُنَتْ مُرْتَفَقًا۔ (آیت ۳۰ ع ۴) وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہم یقیناً ان لوگوں کی محنت جو عمل میں اعلیٰ درجہ کے ہیں ضائع نہیں کریں گے۔

وہی ہیں جن کے لئے "جَنّٰتُ عَدْنٍ" ہوں گے۔ اُن کے ماتحت نہریں جاری ہوں گی۔ وہ سونے کے کڑے پہنائے جائیں گے اور سبز نفیس دیبا میں ریشمی لباس پہنیں گے۔ تختوں پر گاؤ تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے اور یہ کیسا ہی اچھا بدلہ ہے اور کیا ہی اچھی آسائش کی جنتیں ہوں گی۔

اس آیت میں جس قسم کے لباس کا ذکر کیا گیا ہے وہ شاہانہ پہناوا ہے۔ قدیم زمانہ میں رواج تھا کہ تخت نشینی کے وقت بادشاہوں کو سونے کے کنگن پہنائے جاتے تھے اور ریشمی لباس اُن کے زیب تن ہوتا اور تخت پر اُن کے لئے گاؤ تکیہ رکھا جاتا۔ اس لئے اس آیت کا پیرایۂ بیان بطور استعارہ کے ہے اور اس سے مراد بادشاہت ہے۔ فرعون اپنی بادشاہت کے متعلق جب فخر کرتا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طعنہ دیتا ہے کہ لَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَیْہِ اَسْوِرَۃٌ مِّنْ ذَھَبٍ ... . (سورۂ زخرف آیت ۵۳ ع ۵) یعنی کیا اُسے سونے کے کنگن ڈالے گئے ہیں؟ اس سے بھی اس کی یہی مراد ہے کہ یہ شخص بادشاہی سے محروم ہے۔ سورۃ الدہر میں الفاظ مُتَّکِئِیْنَ فِیْھَا عَلَی الْاَرَآئِکِ نیز سُنْدُس اور اِسْتَبْرَق وغیرہ جو وارد ہوئے ہیں ان سے بھی بادشاہت ہی مراد ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ اِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّ مُلْکًا کَبِیْرًا یعنی اگر تُو دیکھے تو وہاں بہت بڑی نعمت اور بہت بڑی بادشاہت دیکھیگا۔ چنانچہ سورۃ الدہر میں مسلمانوں سے مُلْکًا کَبِیْرًا کا ایک وعدہ فرمایا گیا ہے وہ صحابہ کرامؓ سے پورا کیا گیا اور سورۂ کہف اور سورۂ مریم میں بادشاہت کا دوسرا وعدہ ہے جو پہلی بادشاہت چھن جانے کے بعد اُن سے پورا ہونے والا ہے۔

یہ امر کہ آیا ان دونوں سورتوں میں فی الواقع آئندہ کی دوسری بادشاہت مراد ہے جو دجّال کی تباہی کے بعد مسلمانوں کو دی جانی ہے خود آنحضرت صلعم کی اس تصریح سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے سورۂ کہف کی آیات کو فتنۂ دجّال سے مخصوص فرمایا۔ اور ظاہر ہے کہ دجّال کا ظہور اور اس کا غلبہ آخری زمانہ میں مقدر ہے۔ نیز یہ امر سورۂ مریم کے چوتھے رکوع کی آخری آیت اور پانچویں رکوع کی ابتدائی آیت سے بھی واضح ہے۔ جہاں فرشتے آنحضرت صلعم کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ لَہٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِکَ وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا (آیت ۶۴-۶۵) کہ ہم یہ بشارت اللہ تعالیٰ کے حکم سے لائے ہیں اُسی کا ہے جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے اور جو ہمارے پیچھے ہوگا اور جو اُن کے درمیان ہونیوالا ہے۔ وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا اور تیرا رب بھولنے والا نہیں۔ اور اس کے بعد معاً فرماتا ہے۔ وَیَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا (آیت ۶۶) کہ انسان تعجب سے کہتا ہے کہ جب میں مرجاؤں گا تو پھر زندہ نکالا جاؤں گا۔ کیا انسان کو یاد نہیں کہ ہم نے اُس کو پہلے بھی بنایا تھا جبکہ وہ کچھ نہیں تھا۔ سو تیرے رب ہی کی قسم ہم ان کو (یعنی ناخلف مسلمانوں کو) شیطانوں (سرکش قوموں) کے ساتھ جنگ کے لئے اکٹھا کریںگے اور پھر وہ جہنم کے ارد گرد زانو کے بل گرائے جائیں گے:

سورۂ مریم میں سورۂ کہف والے بأس شدید کا حوالہ!

سورۂ مریم کی محولہ بالا آیات میں ......

لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ کے الفاظ سے جس حشر کا ذکر کیا گیا ہے یہ وہی ہنگامۂ جنگ ہے جس کا ذکر سورۂ کہف کی اس آیت میں ہے۔ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ٥ (آیت ۴۶) حشر کے معنی جنگ کے لئے اکٹھا کرنا۔ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تُو ساری زمین کو لڑائی کے لئے صف آرا دیکھے گا۔ اور ہم ان عیسائی قوموں کو جنگ کے لئے اکٹھا کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی پیچھے نہیں رہنے دیں گے۔ اس محشرِ کارزار کے ذکر کو سورۂ مریم کی مذکورہ بالا آیت میں دُہرایا اور بتلایا گیا ہے کہ ناخلف مسلمانوں کو بھی انہی سرکش قوموں کے ساتھ اس عالمگیر ہنگامہ میں شریک کیا جائے گا۔ سورۂ کہف میں ان جنگوں کو ایسی آگ قرار دیا گیا ہے جس کی قناتیں عیسائی اقوام کو چاروں طرف سے گھیرنے والی ہوں گی۔ فرماتا ہے وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ٥ یعنی کہو کہ یہ بات تمہارے رب کی طرف سے اٹل ہے پس جو چاہے مانے جو چاہے انکار کرے۔ یقیناً ہم نے ان ظالموں کے لئے ایسی آگ تیار کی ہے جس کی قناتیں ان کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی۔ اور اگر وہ مدد طلب کریں گے تو اُن کی مدد بھی ایسے ہی پانی سے کی جائیگی جو کھولتے ہوئے تانبے کا سا ہوگا جو اُن کے چہروں کو جُھلس دے گا۔ اور پھر اس آگ کو سورۂ کہف کے پانچویں رکوع میں حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ کے الفاظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی ایسی آگ جو آسمان سے گرائی جائے گی۔ فرماتا ہے کہ جب اُنہیں اپنے انگورستان کے متعلق یہ گمان پیدا ہوگا کہ یہ کبھی تباہ ہونیوالا نہیں وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ٥ (آیت ۴۰) تو اللہ تعالیٰ آسمان سے آگ بھیجے گا جو اُسے چٹیل میدان بنا دے گی۔ گویا کہ زمین میں روئیدگی تھی ہی نہیں۔

سورۂ مریم کے آخری رکوع میں بھی ان ظالم اقوام کی مکمل تباہی کا ذکر کھلے الفاظ میں کیا گیا ہے یہ خلاصہ ہے سورۂ کہف اور سورۂ مریم کے موضوع کا۔ یہ دونوں سورتیں ہم معنی اور مترادف ہیں۔ ایک میں انذار کے پہلو کو زیادہ نمایاں کیا گیا ہے اور دوسری میں بشارت کے پہلو کو۔

(باقی)

اعلان

جن دوستوں کے ذمہ الفرقان کا چندہ باقی ہے، یا انہوں نے ۵۳ سنہ ء کا پیشگی چندہ ادا نہیں فرمایا وہ جلد ارسال فرمائیں۔

(مینجر)

میری آرزو!

(نتیجۂ فکر جناب قاضی محمدؐ یوسف صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ صوبہ سرحد)

آرزو ہے مرے اللہ! کہ انسان بنوں
تیرے احکام کا پابند مسلمان بنوں

میرا آقا، میرا شارع ہو محمدؐ عربی
عالمِ دین بنوں، عاملِ قرآن بنوں

بیعتِ احمدِ موعود کا پابند رہوں
مثلِ ابوبکرؓ و عمرؓ، مظہرِ عثمانؓ بنوں

تیرا احمدؑ ہے محمدؐ کا بروز اور غلام
مَیں غلام اس کا بنوں تابعِ فرمان بنوں

احمدیّت کی غرض مَیں نے جو سمجھی یہ ہے
پہلے انسان بنوں پیچھے مسلمان بنوں

مَیں جو آدم ہوں تو آدم کی حقیقت ہے خاک
جب مَیں ناری نہیں کیوں مظہرِ شیطان بنوں؟

عقل کا راہنما ہے تیرا الہام و کلام
کیوں تیری وحی کا منکر بنوں نادان بنوں

مَیں محمدؐ کو کہوں فوت مسیحا کو حیات
بات کہنے کی نہیں کیوں کہوں نادان بنوں

اپنی باتوں کے سمجھنے کی مجھے دے توفیق
مَیں سخن فہم بنوں اور سخندان بنوں

اہلِ عالم کو سناؤں تیرے دیں کا مژدہ
مَیں مبلّغ بنوں اور داعیٔ فرقان بنوں

اسود و احمر و ابیض کا بنوں مَیں خادم
مصدرِ حُسن بنوں، منبعِ احسان بنوں

مومنوں کے لئے بن جاؤں سراپا رحمت
دشمنوں کے لئے مَیں رحمت و طوفان بنوں

تُو مجھے اپنی محبت کا پلا دے شربت
مَیں تجھے چھوڑ کے کیوں عابدِ اوثان بنوں

مَیں جو یوسف ہوں تو اخواں کی شکایت کیسی؟
وہ جو چاہیں کریں مَیں یوسفِ کنعان بنوں!

مفید کتابیں، رسالے اور ٹریکٹ!

(۱) **مناظرہ مہت پور** شیعہ صاحبان کے ساتھ ذیل کے چار مضامین پر تحریری مناظرہ ہوا تھا۔ (۱) صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ (۲) ختم نبوت کی حقیقت (۳) تعزیہ (۴) متعہ۔ فرقہ اثنا عشریہ کی طرف سے اس مناظرہ میں جناب مرزا یوسف حسین صاحب مشہور شیعہ مناظر مقرر تھے اور جماعت احمدیہ کی طرف سے مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری مناظر مقرر تھے۔ قریباً پونے دو سو صفحے کا یہ رسالہ فریقین کے مشترکہ خرچ سے شائع ہوا تھا اب اس کی چند مجلد کاپیاں میسر آئی تھیں۔ شائقین اصحاب فی نسخہ قیمت مع محصولڈاک کیلئے سوا روپیہ بھیجکر طلب فرمائیں +

(۲) **کلمۃ الیقین فی تفسیر خاتم النبیین**۔ یہ سولہ صفحات کا ٹریکٹ خاتم النبیین کی تفسیر میں ایک جامع و نافع مگر مختصر مضمون پر مشتمل ہے۔ تعلیمیافتہ غیر احمدی اصحاب میں اس کی بکثرت اشاعت ہونی چاہیئے۔ فی نسخہ ایک آنہ اور فی سینکڑہ پانچ روپے +

(۳) **حضرت مسیح ناصری کی زندگی کے بارے میں جدید انکشاف** بڑے حجم کے چار صفحات پر عمدہ کاغذ پر انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے حوالہ سے حضرت مسیح علیہ السلام کی تین تصویریں مفصل مضمون کے ساتھ شائع کی گئی ہیں۔ یہ تصویریں حضرت مسیح کی جوانی، ادھیڑ عمر اور بڑھاپے کی ہیں۔ ان تصاویر سے عیسائیت کا یہ عقیدہ سراسر باطل ٹھہرتا ہے کہ حضرت مسیح ۳۳ سال کی عمر میں آسمان پر جا بیٹھے تھے۔ یہ مضمون انگریزی، اردو اور عربی میں اکٹھا شائع کیا گیا ہے۔ فی نسخہ ایک آنہ اور فی سینکڑہ پانچ روپے +

نوٹ:- ہر دو ٹریکٹوں کے ایک ایک نسخہ کے لئے مع محصولڈاک تین آنے کے ٹکٹ بھیجیں۔!

(۴) **الفرقان کے تین خاص نمبر**:- (۱) **خاتم النبیین نمبر**۔ دسمبر ۱۹۵۲ء میں مسئلہ ختم نبوت پر قرآن مجید کی روشنی میں الفرقان کا خاتم النبیین نمبر شائع ہوا ہے۔ قابل دید مضامین کا مجموعہ ہے۔ حجم یکصد صفحات اور قیمت ایک روپیہ ہے۔ (۲) **خلافت نمبر**۔ مسئلہ خلافت کے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل بحث پر مشتمل نمبر ہے۔ شیعہ صاحبان کی مسلّمہ کتب کے حوالہ جات سے خلفاء راشدین کی خلافت کا ثبوت دیا گیا ہے۔ حجم یکصد صفحات اور قیمت ایک روپیہ۔ (۳) **سالانہ علمی نمبر**۔ یہ نمبر بھی اپنی ٹھوس اور علمی معلومات کے لحاظ سے الفرقان کا ایک خاص نمبر ہے۔ حجم یکصد صفحات اور قیمت ایک روپیہ +

نوٹ:- ہر سہ خاص نمبروں کے خریدار سے تین روپے کی بجائے اڑھائی روپے قیمت لی جائے گی۔

(۵) **احکام القرآن**۔ مصنفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی الکبیر۔ قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں اسلامی اخلاق و آداب پر مبسوط بحث کی گئی ہے۔ قابل دید ہے۔ کتابی حجم کے ساڑھے تین صد صفحات پر مشتمل ہے قیمت ساڑھے تین روپے +

(۶) **القاموس المحیط**۔ عربی زبان کی نہایت مستند لغت ہے۔ امام مجد الدین نے چار جلدوں میں مدون کی ہے مطبوعہ مصر مکمل مجلد کتاب بیس روپے میں مل سکتی ہے۔ محصولڈاک علاوہ۔

نوٹ:- سلسلہ احمدیہ کی جملہ کتب بھی پتہ ذیل سے طلب فرمائیں:-

مینیجر مکتبۃ الفرقان، احمد نگر۔ براستہ لالیاں ضلع جھنگ پاکستان

(طابع و ناشر ابو العطاء جالندھری نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا سے چھپوا کر دفتر الفرقان احمد نگر ضلع جھنگ سے شائع کیا۔)